مُبلّغ بنانیوالی کتاب

دعوت و تنظیم

۱۰۰ آیاتِ قرآنیہ اور ۱۵۰ احادیثِ مُبارکہ کی روشنی میں
بصیرت اور کردار کی تعمیر سے متعلق ایمان افروز تحریر۔

تصنیف
علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

ناشر مکتبہ انوار القرآن کراچی

Waris e Uloom e Alahazrat, Nabirah e Hujjat ul Islam, Janasheen e Mufti e Azam Hind, Jigar Gosha e Mufassir e Azam Hind, Shaikh ul Islam Wal Muslimeen, Qazi ul Quzzat, Taj ush Shariah Mufti

Muhammad Akhtar Raza Khan

Qadiri Azhari Rahmatullahi Alihi

Or Khaanwada e Alahazrat k Deegar Ulama e Kiram Ki Tasneefat Or Hayaat o Khidmaat k Mutaluah k Liyae Visit Karen.

To discover about writings, services and relical life of the sacred heir of Imam Ahmed Raza, the grandson of Hujut-ul-Islam, the successor of Grand Mufti of India, his Holiness, Tajush-Shariah, Mufti

Muhammd Akhter Raza Khan

Qadri Azhari Rahmatullahi Alihi

the Chief Islamic Justice of India, and other Scholars and Imams of golden Razavi ancestry, visit

www.muftiakhtarrazakhan.com

     /makhtarraza1011

— تصنیف —

علامہ سید شاہ تراب الحق قادری
امیر جماعت اہلسنت پاکستان کراچی

ناشر **مکتبہ انوار القرآن**
میمن مسجد مصلح الدین گارڈن، کراچی 74000
فون: 021-32431568 / 0323-2569299 / 0331-3017875
E-mail: sitemaster@ahlesunnat.net

نام کتاب: دعوت و تنظیم (مبلغ بنانے والی کتاب)

نام مصنف: پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری الجیلانی

مرتب: حافظ محمد آصف قادری

پروف ریڈنگ: حافظ محمد عارف قادری

معاونین: عمران جاوید قادری، شاہد علی قادری (اسلام آباد)

محمد رئیس قادری، محمد اشرف قادری (کراچی)

اشاعت: ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ / اکتوبر، 2011ء

ہدیہ: -/110روپے

---ملنے کے پتے---

☆ حنفیہ پاک پبلی کیشنز، نزد بسم اللہ مسجد، کھارادر، کراچی

☆ مکتبہ افکار اسلامی، جامع مسجد کنز الایمان 1-10/1، اسلام آباد

☆ مکتبہ رضویہ، گاڑی کھاتہ، نزد آرام باغ، کراچی 021-32216464

☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 14 انفال سینٹر، اردو بازار، کراچی 021-32212011

☆ مکتبہ غوثیہ، یونیورسٹی روڈ، بالمقابل مین گیٹ عسکری پارک، کراچی 021-34926110

☆ مکتبہ برکات المدینہ، جامع مسجد بہارِ شریعت، بہادر آباد، کراچی 021-34219324

☆ زاویہ پبلشرز، 6 مرکز الاویس، (سستا ہوٹل) دربار مارکیٹ، لاہور 042-7248657

☆ ضیاء الدین پبلکیشنز، نزد شہید مسجد کھارادر، کراچی 0213-2203464

{فہرست}

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم

ناز کیا اس پہ کہ بدلہ ہے زمانے نے تجھے
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ ہر انقلاب میں نوجوان طبقہ نے اہم ترین کردار ادا کیا ہے۔ نوجوانوں میں کام کرنے کا جذبہ اور انقلاب لانے کی امنگ ہوتی ہے، یہ مضبوط عزم اور بلند حوصلہ ہوتے ہیں نیز فطری طور پر صلح کلیت اور مصلحت کی بیماریوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ان کی رگوں میں گرم خون اور جذبات میں سمندر کی طغیانی ہوتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کے جذبات اور ذہانت کی صحیح سمت میں راہنمائی کی جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ انکی جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں انہیں حالات کا رخ موڑ دینے، مشکلات جھیلنے، وقت و مال اور جان کی قربانیاں اور مسلسل جدو جہد کرنے کا حوصلہ دیتی ہیں اور وہ زبان سے یوں گویا ہوتے ہیں،

خود اپنا راستہ آپ بناتے ہیں اہل دل
ہم وہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

عام مشاہدہ ہے کہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ حق گوئی و بیبا کی کے جذبات ماند پڑنے لگتے ہیں، اہل و عیال اور روزگار کے علاوہ مصلحت کوشی اور آرام طلبی پاؤں کی زنجیر بن جاتی ہے، یونہی ذہنی صلاحیتیں بھی زوال پزیر ہوتی ہیں الا ماشاء اللہ۔ پھر نوجوانوں کے پاس اچھی صحت کے علاوہ فارغ وقت جیسی نعمت ہوتی ہے اس لیے انہیں قیادت کا اہل سمجھا جاتا ہے بشرطیکہ وہ اپنے جذبات

کے بے لغام گھوڑے کو فرمانبردار بنا چکے ہوں، بزرگوں کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے انکے تجربات سے استفادہ کریں اور آقا و مولیٰ ﷺ کی اطاعت و غلامی کرتے ہوئے دین کے سپاہی بن جائیں۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہو کاری

اسلامی انقلاب کی تاریخ بتاتی ہے کہ فرعون جیسے ظالم و جابر حکمران کے خلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہنے والے چند نوجوان ہی تھے جنہوں نے مصائب و آلام کی پرواہ کیے بغیر حق کا پرچم بلند کیے رکھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''تو، موسیٰ پر ایمان نہ لائے مگر اس کی اولاد میں سے کچھ لوگ۔ فرعون اور اس کے درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں انہیں (حق سے) ہٹنے سے مجبور نہ کردیں''۔ (یونس: ۸۳، کنزالایمان)

نبی کریم علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہنے والوں کی اکثریت بھی نوجوانوں کی ہی تھی۔ اولین ایمان لانے والوں میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر ۳۷ یا ۳۸ سال جبکہ حضرت عمر فاروق اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کی عمریں ۳۰ سے ۳۲ سال کے درمیان تھیں۔ دیگر چند اصحاب کے علاوہ باقی اصحابہ کرام ۳۰ سال سے کم عمر والے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ با اختلاف روایت آٹھ یا نو یا دس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ رحیم و کریم آقا علیہ السلام کی دعوت اسلام کے جواب میں آپ نے عرض کیا کہ، میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور جسمانی لحاظ سے کمزور ہوں اسکے باوجود میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ غزوات اور جنگوں میں آپ نے شجاعت اور بہادری کی ایسی مثالیں قائم کیں کہ حیدر کرار اور اسد اللہ (اللہ کا شیر) کے خطاب سے نوزاے گئے۔

عشرہ مبشرہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سولہ سال کی عمر میں ایمان لائے کم عمری ہی میں شجاعت و بہادری کا یہ عالم تھا کہ کسی نے یہ جھوٹی خبر دی کہ مشرکین نے حضور علیہ السلام کو گرفتار کر لیا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ ننگی تلوار لیے گھر سے نکل پڑے اسی حالت میں بارگاہ نبوت میں جا پہنچے تو حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ زبیر! یہ کیا، آپ نے سارا ماجرہ بیان کیا، آقا علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعا فرمائی۔ غزوہ بدر میں آپ اس بے جگری سے لڑے کہ آپ کی تلوار میں دندانے پڑ گئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ انیس سال کی عمر میں ایمان لائے۔ ایمانی جذبہ کا یہ عالم تھا کہ مدائن کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے دریائے دجلہ میں گھوڑے ڈال دیے اور لشکر کے درمیان یوں دریا عبور کیا کہ کفار ہیبت زدہ ہو گئے آپ اپنی شجاعت و جنگی مہارت کے باعث عراق و ایران کے فاتح کہلائے۔ عشرہ مبشرہ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی عمر پچیس سال سے کم تھی جبکہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمریں تیس سال سے کم تھیں۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے تو اطاعت مصطفیٰ ﷺ کی انوکھی مثال قائم کی۔ آپ کی سہاگ رات تھی کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے منادی نے جہاد کا اعلان کیا۔ آپ حالت جنابت میں اپنی دلہن کو چھوڑ کر جہاد کے لیے حاضر ہو گئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ جنگ کے بعد جب جسم مبارک دیکھا گیا تو اس سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے تو آقا و مولیٰ ﷺ فرمایا کہ چونکہ حنظلہ پر غسل واجب تھا اور یہ میری اطاعت میں جہاد کے لیے آ گئے اس لیے انہیں ملائکہ نے غسل دیا ہے۔ سبحان اللہ

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا جس کا ہے تو اک ٹوٹا ہوا تارا

۱۸۳۴ء میں لارڈ میکالے نے کہا تھا ہمیں ہندوستان میں ایک ایسی قوم پیدا کرنی ہے جو رنگ وروپ کے لحاظ سے مقامی مگر طرز فکر، اخلاق اور ذوق وشوق کے لحاظ سے انگریز ہو۔ یہ غیر مسلموں کی سازش کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے ملک پر عملی طور پر اسلام کی بجائے اسلام دشمن نظام نافذ ہے دن بدن مغربی تہذیب کو فروغ دیا جارہا ہے۔ ستم یہ ہے کہ ذہین وعقلمند نوجوان اس سازش کا شکار ہوتے جارہے ہیں، جن ہاتھوں کو قلم وکتاب پکڑنی تھی وہ ویڈیو فلم تھامے نظر آتے ہیں جن زبانوں کو حمد ونعت کی لذتوں سے آشنا ہونا تھا وہ فحش گانوں اور لغو باتوں سے آلودہ ہیں، جن آنکھوں میں شرم وحیا نے گھر کرنا تھا وہاں بے حیائی نے ڈیرہ ڈالا ہوا ہے، جن دلوں کو خوف خدا عزوجل اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز ہونا تھا وہاں بدی اور منافقت قدم جمائے ہوئے ہے جن ذہنوں میں رضائے الٰہی اور رضائے مصطفیٰ علیہ السلام چاہنے کا سودا سمایا ہونا چاہیے تھا انہیں مغربی تہذیب اپنانے کی ہوس نے پراگندہ کیا ہوا ہے۔ اب نوجوانوں کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ انہوں نے باطل کی ہمنوائی اور طاغوت کی بندگی میں متاع حیات برباد کرنی ہے یا اللہ تعالیٰ کی بندگی اور آقا علیہ السلام کی غلامی میں زندگی کو سرمایا آخرت بنانا ہے۔ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام احمد خاں رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی پیغام ہے،

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے

سونے والو جاگتے رہیو چور کی رکھوالی ہے

آج پھر دین حق کو جواں عزم اور بیباک جرات رکھنے والے، جہد مسلسل اور سعیٔ پیہم کرنے والے اور جان ومال اور وقت کی قربانیاں دینے والے نوجوانوں کی ضرورت ہے۔ ان میں قیادت کے اہل افراد بھی مطلوب ہیں اور مخلص اور مستعد کار

کن بھی۔ اقامت دین کی جدو جہد میں حصہ لینا کسی کا دین حق پر احسان نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اپنے دین کی خدمت کے لیے ہزاروں لاکھوں میں سے تمہیں پسند کرلیا۔ تمہیں اپنی خوش بختی پر ناز کرنا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا، اس نے تمہیں پسند کیا اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہیں رکھی''۔ (الحج: ۷۸، کنزالایمان)

عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق دعوت دین اور تنظیم سازی کے متعلق جامع لٹریچر کی اشد ضرورت تھی، صد شکر رب کریم کا اس نے یہ نعمت ہمیں مفکر اسلام پیر طریقت حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رضوی گیلانی دامت برکاتہم القدسیہ کی ذات والاصفات کی معرفت عطا ہوئی۔ آپ کی تصنیف لطیف ''تصوف وطریقت'' پر شیخ التفسیر والحدیث استاذ العلماء علامہ مفتی عبدالرزاق چشتی بھترالوی مدظلہ العالی نے تقریظ تحریر فرمائی اور حضرت مصنف مدظلہ کو پیر طریقت، راہبر شریعت، عالم شریعت، واقف رموز طریقت، عارف حقیقت، واقف اسرار حقیقت، مبلغ اسلام، مفکر اسلام، داعی حق، متکلم حق، عالم حق، عامل علی الحق، واصل الی الحق اور مرد مومن مرد حق کے القابات سے یاد کیا ہے۔ اس سے حضرت مصنف مدظلہ کے علمی وروحانی مقام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اہلسنت کے لیے یہ کتاب دعوت فکر بھی ہے اور پیغام عمل بھی، مشعل راہ بھی ہے اور مینارہ نور بھی۔ اب یہ ان کے ذمہ ہے کہ وہ اس کتاب سے کس حد تک فیضیاب ہوتے ہیں۔ رب اس کتاب کو رافع اور نافع بنائے آمین۔

خاکپائے عرفاء کاملین

محمد آصف قادری غفرلہ

اظہار خیال

حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل صاحب رضوی
شیخ الحدیث، دار العلوم امجدیہ، کراچی۔

پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ مولانا شاہ تراب الحق صاحب نے اس کتاب کو نہایت محنت سے لکھ کر وقت کی ضرورت کو پورا کیا ہے، یہ کتاب میں نے حرف بحرف بنظر غائر پڑھی ہے، یہ کتاب معاشرے کے ہر طبقہ کے لیے مفید ہے، اس کتاب کو سو سے زیادہ آیات قرآنیہ اور سو سے زیادہ احادیث۔ صحاح ستہ کے علاوہ کتب معتبرہ سے پند و نصاح سے مزین کیا گیا ہے یوں یہ کتاب معاشرہ کے ہر مرد و عورت کے لیے فائدہ مند ہے لیکن بعض افراد کے لیے زیادہ مفید ہے، مثلاً محنتی طلباء کے لیے، مبلغین کے لیے، پی۔ٹی۔سی۔بی۔ٹی بی۔ایڈ، ایم۔ایڈ کرنے والوں کے لیے، مدرسین کے لیے، کمپنیوں کے سربراہوں کے لیے، کسی بھی تنظیم کے منتظم و کارکناں کے لیے، خطباء و ائمہ کے لیے، مدارس کے مہتمم حضرات کے لیے۔

کتاب ھذا نہایت جامع و مختصر ہے، اس کے پڑھنے میں بہت کم وقت صرف ہوگا لیکن فوائد کثیر ہیں، کل ایک سو بارہ صفحات ہیں ایک صفحہ کے مطالعہ میں زیادہ سے زیادہ دو منٹ صرف ہوں گے کل (2*12=224) منٹ جس کے تقریباً ساڑھے تین گھنٹے بنتے ہیں۔ تیز رفتار سے پڑھنے والا اس سے بھی کم وقت میں اس کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

اسکی عبارت نہایت سلیس اور آسان ہے، اس کا پڑھنے والا اکتائے گا

نہیں، اس کے پڑھنے سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہونگے۔

۱۔ تبلیغ دین کا جذبہ پیدا ہوگا۔

۲۔ ۲۰۰ سے زیادہ آیات قرآنی واحادیث پڑھنے کا شرف ونورانیت حاصل ہوگی۔

۳۔ معاشرہ کے افراد کے حقوق سے آگاہی ہوگی۔

۴۔ پند ونصیحت کا طریقہ آجائیگا۔

۵۔ پڑھنے سے ایمان تازہ ہوگا۔

۶۔ قوت مطالعہ میں اضافہ ہوگا۔

۷۔ کتب دینیہ کے مطالعہ کا شوق بڑھے گا۔

۸۔ معاشرے کا کارآمد فرد بن جائیگا۔

۹۔ نظم ونسق کا طریقہ آجائیگا۔

۱۰۔ خدمت خلق کا شوق ابھرے گا۔

اس کے علاوہ بیشمار فوائد کتاب کے مطالعے سے حاصل ہونگے۔

فقط

اسماعیل

خادم دارالعلوم امجدیہ

۴ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ

۲۳ مارچ ۱۹۹۹ء

تقریظ جمیل

از فاضل جلیل ادیب شہیر حضرت علامہ مولانا محمد افضل کوٹلوی مدظلہ العالی
ایم اے عربی، اسلامیات، سیاسیات ناظم جامعہ رضویہ، فیصل آباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ شکایت عام ہے کہ معاشرہ میں بے راہ روی بڑھ رہی ہے مغربی تہذیب کے اثرات پھیل رہے ہیں دینی اقدار کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، مذہبی رجحانات میں کمی آ رہی ہے، حالانکہ آئے دن سیرت کانفرنسیں بھی منعقد ہو رہی ہیں ، اسلامی نظام حیات کے حوالے سے مجالس مذاکرہ بھی برپا ہوتی ہیں، مساجد میں جمعہ کے اجتماعات میں خطباء حضرات اپنے جوہر بھی دکھاتے ہیں اور تبلیغی جماعتیں بھی قریہ قریہ، بستی بستی گھومتی نظر آتی ہیں بایں ہمہ حالات جوں کے توں ہیں

ہر دردمند مسلمان سوچتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے، سیرت کانفرنسیں ناکام کیوں ہیں مجالس مذاکرات سے متاضد کیوں حاصل نہیں ہوتے، خطباء و واعظین کیوں دلوں پر اثر انداز نہیں ہوتے تبلیغی جماعتوں کی ناکامی کا سبب کیا ہے؟

اس ہجوم یاس ناامیدی میں پیر طریقت رہبر شریعت پاسبان مسلک رضا علامہ شاہ تراب الحق قادری دامت برکاتہم العالیہ کی نئی تصنیف: دعوت و تنظیم: روشنی کی کرن بن کر سامنے آئی ہے کتاب کے مطالعہ سے ذہن میں پیدا ہونے والے تمام سوالوں کا جواب مل گیا، سیرت کانفرنسوں کی ناکامی کا سبب سمجھ

میں آ گیا مجلس مذاکرات بے نتیجہ رہنے کی حقیقت معلوم ہوگئی، خطباء وواعظین کے خطبوں اور واعظوں کی بے اثری کا راز کھل گیا، تبلیغی جماعتوں کے غیر مؤثر ہونے کی وجہ معلوم ہوگئی۔

دعوت و تنظیم : میں قبلہ شاہ صاحب نے بڑے شگفتہ مگر عام فہم انداز میں حقیقت کو واضح کیا ہے۔

دینی دعوت، داعیان حق کے اوصاف، دعوت و تنظیم اور راہ حق کی آزمائشوں جیسے عنوانات قائم کر کے دینی تبلیغ کی اہمیت، مبلغین وواعظین کے اوصاف اور دعوت حق کی شرائط ولوازمات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

یہ کتاب وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اس کتاب کا مطالعہ ہر مسلمان خصوصاً خطباء وواعظین اور مبلغین کے نہایت مفید ثابت ہوگا۔

اس سے پہلے حضرت شاہ صاحب قبلہ ضیاء الحدیث، تصوف وطریقت، جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ایمان افروز تصنیف فرما کر اہل علم ودانش سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں اور بلا مبالغہ ہزاروں مسلمان ان کتابوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

میں صدق دل سے قبلہ شاہ صاحب کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ کرم تا دیر عوام اہل سنت کے سروں پر قائم رکھے اور آپ کے فیوض وبرکات سے مسلمانوں کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

محمد افضل کوٹلوی غفرلہ

۵ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

نئی نسل اور تبلیغ و تنظیم کے تقاضے

تبلیغ کیا ہے اور اسکا تنظیم سے کیا تعلق ہے یہ سوال اب جبکہ ہم ترقی یافتہ سماجی نفسیات کا روز بروز حصہ بنتے جارہے ہیں بہت اہمیت اختیار کرگیا ہے۔ اجتماعی اور انفرادی زندگی کی ہر سطح پر تغیر وتبدل نے قدیم اقدار وقوائد کو ہی نہیں بلکہ کسی حد تک ان اصولوں کو بھی مشکوک اور پامال کردیا ہے جن پر عمل کر کے ہمارے اسلاف نے مذہب کی تشریح وتفہیم کی ایک گرامر مرتب کی تھی۔ اس لئے یہ ضرورت محسوس کی جانے لگی ہے کہ فکری ومذہبی ضرورتوں کو عصری تقاضوں کی روشنی میں بالاجتہاد پورا کیا جائے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہر صدی میں سر اٹھاتا ہے اور مصلحین اس کے تدارک کے لیے اپنی علمی وعملی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں تاکہ ابلاغیاتی خلا پیدا نہ ہو اور معاشرے میں مذہب کا اثر ونفوذ برقرار رہے۔ مذہب سے حیات انسانی میں توازن پیدا ہوتا ہے ایسا توازن جس کے بغیر انسانی زندگی محض ایک ہستی پریشان رہتی ہے کیونکہ اس بکھری ہوئی کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کو ایک پوری اکائی بنانا مذہب کا مقصد اصلی ہے اور اکائی اسی صورت میں مکمل ہوتی ہے جب انسان کو نظام کائنات کا داخلی شعور حاصل ہو اور جز کا کل سے جو تعلق ہے اس کا واضح اظہار ہوسکے انتشار، بے عملی اور بے سکونی ہر زمانہ میں انسانی فطرت کا لازمہ رہی ہے اور یہ سورتحال نئی نسل میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہے اور اسکی وجہ وہی ہے کہ فکری تقاضوں کی آویزش۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ نئی نسل شائد باغی ہوگئی ہے حالانکہ

ایسا نہیں ہے نئی نسل مذہب کی حقانیت اور ہر شعبہ زندگی میں اسکی افادیت پر تمام تر ایمانی حرارت کے ساتھ یقین رکھتی ہے۔ انکے دل میں اسلام کے حوالے سے کتاب مبین کی آفاقی عظمت اور سنت نبوی ﷺ کی برکت و رحمت کا واضح اور زندہ تصور موجود ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ پرانی نسل طے شدہ قواعد پر پورے وثوق کے ساتھ عمل پیرا رہتی ہے اور نئی نسل اپنی عصری حیثیت کے زیر اثر ان قوائد کے بارے میں سوال اٹھاتی رہتی ہے۔ اس کا فطری تجسس اسے ایک پل بیٹھنے نہیں دیتا اور وہ چاہتی ہے کہ قدیم آئینے میں ایسے منظر جلوہ گر ہوں جو اس کی حسیت سے ہم آہنگ ہوں اس لئے یہ ملال کہ نئی نسل بدلحاظ یا منحرف ہوگئی ہے کچھ زیادہ درست نہیں ہے، آج مساجد گذشتہ کل کے نوجوانوں سے زیادہ بھری ہوئی نظر آتی ہیں۔ تمام مذہبی تنظیموں کے روح رواں نوجوان ہیں علماء و مشائخ کے دست و بازو نوجواں ہیں بوسنیا سے لیکر کشمیر تک جیسے عظیم فرئض کی ادائی یا جہاد کی سنت کو نوجواں ہی زندہ رکھے ہوئے ہیں اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اگر کسی معاشرے سے نوجوانوں کی یا ان کی قوت و عمل کو منہا کر دیا جائے تو وہ معاشرہ معطل ہو کر رہ جائیگا۔ نوجوانوں کی حرارت ایمانی پرانی نسل کی علمی و عملی صلاحیتوں کو فعال رکھتی ہے اور انکو غور و فکر کی منہاج فراہم کرتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ لوگ لائق ستائش ہیں جو اپنے تجربہ اور علم کے آئینے میں نئی نسل کو مثبت خطوط پر آگے بڑھنے میں مدد دے سکیں۔ ان کو رجائیت اور قنوطیت سے بچا سکیں اور زندگی کے حوالے سے ان کے اندر کسی منفی سوچ کو پروان چڑھنے نہ دیں۔

روشن خیالی ایک مسلسل ضرورت ہے لیکن اس روشن خیال کے حدود کا تعین بھی بہت ضروری ہے یہ حدود ایک مسلم معاشرے میں یقیناً قرآن و سنت سے ہی اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ شرعی حدود، عقیدہ کی صورت میں فکری اور روحانی ترفع کی

جانب لیجاتے ہیں۔ایک ایسے ترفع کی جانب جوایک عامی مسلمان کومومن کے منصب پر فائز کرتا ہے۔یہی تبلیغ ہے اور یہی تنظیم ہے اسی تبلیغ و تنظیم کی ضرورت کومحسوس کرتے ہوئے ممتاز عالم دین سید شاہ تراب الحق نے ہمیشہ نوجوانوں کی فکری اور روحانی تربیت کوضروری تصور کیا ہے۔فکری اور روحانی تربیت دراصل کسی عمارت کی تعمیر سے قبل درست بنیادی اینٹ رکھنے کا عمل ہے۔اور اینٹ وہی درست رکھے گا جو معمار ہو گا۔جو عمارت کی مضبوطی اور خوبصورتی کی ترجیہات اور افادیت سے پوری طرح واقف ہوگا۔

علامہ سید شاہ تراب الحق قادری کی پیش نظر کتاب انکی اس معمارانہ جذبہ کی عکاس ہے۔وہ اپنے موضوع اور مقصد پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔میری گفتگو اصل موضوع پر حاشیہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔مجھے پوری امید ہے کہ ہماری نوجوان نسل جو بے سمتی اور بے سکونی سے پریشان وخائف ہے اس کتاب کے مطالعہ سے اور پھر اس مطالع پر عمل کر کے وہ نہ صرف اپنی مشکل کا حل پا لے گی بلکہ فی زمانہ مذہب حقہ،کو درپیش خطرات کے ازالے اور استیصال کے لیے خود کو وقف کر دیگی یہی عمل اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بارگاہ میں حصول عزت اور شرف قبولیت کا عمل ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے میں سید شاہ تراب کی عمر،علم اور عمل توفیقات میں وسعت وبرکت عطا فرمائے تاکہ تبلیغ و تنظیم کے تقاضے بحسن وخوبی پورے ہو سکیں۔

خواجہ رضی حیدر

غلام غلامان غوث اعظم

بسم اللہ الرحمن الرحیم الصلوٰۃ والسلام علیک یا رحمۃ اللعالمین

باب اول

دینی دعوت:

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ''اس زمانہ محبوب (علیہ ﷺ) کی قسم! بیشک آدمی ضرور نقصان میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی (ان تکلیفوں اور مشقتوں پر جو دین کی راہ میں آئیں)''۔ (سورۃ العصر، کنز الایمان)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ دنیا و آخرت کے نقصان سے بچنے کے لیے اور حقیقی فلاح و کامیابی حاصل کرنے کے لیے ہر شخص کو یہ چار صفات اپنانی ضروری ہیں۔ اول: ایمان لائے، دوم: نیک اعمال کرے، سوم: ایک دوسرے کو حق بات کی تاکید کرے، چہارم: راہ حق میں آنے والی مصیبتوں پر خود بھی صبر کرے اور دوسروں کو بھی صبر کی تاکید کرے۔

سورہ آل عمران میں فرمایا گیا، ''اور تم میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے''۔ (۱۰۴، کنز الایمان)

اس آیت مبارکہ میں مومنوں کو جن تین صفات کے اپنانے کا حکم دیا گیا ہے وہ صفات یعنی اللہ کی طرف بلانا، نیکی کا حکم دینا، اور برائی سے منع فرمانا ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی صفات مبارکہ ہیں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں (الاحزاب ۴۶)، نیز بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے منع فرماتے ہیں۔ (الاعراف: ۱۵۷)

چونکہ رب تعالیٰ نے آقا علیہ السلام کی پیروی کو ان لوگوں کے لیے بہتر قرار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں (الاحزاب: ۲۱) نیز اللہ عزوجل

نے اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت ایمان والوں پر فرض کی ہے (الاحزاب:۳۶) اس لئے ہمیں چاہیے کہ ہم دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تینوں کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیں۔

اب آقا علیہ السلام کے ارشادات کی روشنی میں ایک مسلمان کی ذمہ داریاں ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد فرمایا ''تم میں سے جو شخص برائی ہوتی دیکھے تو اسے چاہیے کہ اسے ہاتھ سے بدل دے، اگر اسکی طاقت نہ ہو تو اسے زبان سے بدل دے، اگر اتنی طاقت بھی نہ ہو تو اسے دل سے براجانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے''۔

(مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

آقا علیہ السلام کا ایک اور ارشاد گرامی ہے، ''تم میں سے ہر ایک نگران اور ذمہ دار ہے اور اس سے اسکی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا، ہر شخص اپنے گھر والوں کا نگران ہے اس سے ان کے بارے میں سوال ہوگا، ہر عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے اس سے اسکے بارے میں پوچھا جائیگا اور خادم اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اس سے اسکی بابت سوال ہوگا''۔ (بخاری، مسلم)

حضور اکرم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ، ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے اور پھر تم اس سے دعا کرو لیکن تمہاری دعا قبول نہ ہو''۔ (ترمذی)

دینی دعوت کے اوصاف:

قرآن کریم نے دینی دعوت کے چھ اوصاف بیان کیے ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ دعوت:

دعوت کا لفظی مطلب بلانا یا پکارنا ہے لیکن اصطلاحی طور پر دعوت سے مراد اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور حق قبول کرنے کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا ہے۔ سورہ آل عمران کی آیت ۱۰۴ میں فرمایا گیا، یدعون الی الخیر یعنی بھلائی کی طرف بلائیں۔ اللہ عزوجل کی طرف بلانے کے لیے ضروری ہے کہ غرور و تکبر اور ذاتی مفاد سے دور رہتے ہوئے محض رضائے الٰہی اور مخاطب کی خیر خواہی کے پر خلوص جذبے سے دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''اور اس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں''۔ (حٰم سجدہ:۳۳)

۲۔ تبلیغ:

تبلیغ کے لفظی معنی پہنچانے کے ہیں لیکن اصطلاحی معنوں میں تبلیغ سے مراد دعوت حق کو لوگوں تک اس طرح پہنچا دینا ہے کہ وہ دل و دماغ پر اثر انداز ہوں۔ ارشاد ہوا، ''اے رسول پہنچا دے جو کچھ اترا تیرے رب کی طرف سے''۔ (المائدہ:۶۷) سورۃ الاحزاب میں مومنوں کی صفات یوں بیان ہوئیں، ''وہ جو اللہ کا پیغام پہنچاتے اور اس سے ڈرتے اور اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں کرتے''۔ (۳۹، کنزالایمان) نبی کریم علیہ السلام نے تئیس برس تک یہ فریضہ ادا فرمایا اور اپنے غلاموں کو بھی اس ذمہ داری کو ادا کرتے رہنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد ہوا، ''مجھ سے (دین سیکھ کر) لوگوں کو پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو''۔ (بخاری)

تذکیر:

تذکیر کے معنی نصیحت کرنے کے اور یاد دلانے کے ہیں۔ انسان دنیاوی آلائشوں میں الجھ کر اپنے مقصد حیات سے غافل ہو جاتا ہے اس لیے یہ

ضروری ہے کہ اسے بار بار یاد دہانی کرائی جائے اور نصیحت کے ذریعے سمجھایا جائے تاکہ وہ غفلت و معصیت سے بچنے کی کوشش کرے۔ ارشاد ہوا، ''اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے''۔ (الذاریٰت:۵۵) دوسری جگہ فرمایا، ''تو تم نصیحت سناؤ تم تو یہی نصیحت سنانے والے ہو''۔ (الغاشیہ:۲۱، کنزالایمان)

۴۔ تبشیر:

تبشیر کے معنی خوشخبری یا بشارت دینا ہے۔ حضور علیہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بشیر و نذیر یعنی خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر مبعوث فرمایا۔ (البقرہ:۱۱۹) ایک جگہ یوں ارشاد ہوا، ''اور خوشخبری دے انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ان کے لیے نہریں رواں ہیں''۔ (البقرہ:۲۵) دوسری جگہ فرمایا گیا، ''رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے''۔ (النساء:۱۶۵) معلوم ہوا کہ لوگوں کو راہ حق کی طرف مائل کرنے کے لیے رضائے الٰہی، جنت اور اجر و ثواب کی بشارت دینا بھی دینی دعوت کا ایک اہم وصف ہے۔

انذار:

انذار کے معنی خبردار کرنے اور ڈر سنانے کے ہیں۔ بعض لوگ رحمت و مغفرت کی بشارت سن کر احکام پر عمل کرنے میں سستی اور غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو اور خدا کے منکروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانا چاہیے تاکہ وہ راہ حق پر گامزن ہو جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ''اے بالاپوش (یعنی کمبل) اوڑھنے والے! کھڑے ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو''۔ (المدثر:۱تا۳)

سورۃ الانعام آیت ۱۹ میں فرمایا گیا، ''(فرمادو) میری طرف سے اس قرآن کی وحی ہوئی ہے کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو یہ پہنچے''۔ صدرالافضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی فرماتے ہیں، ''معنی یہ ہیں کہ اس قرآن

سے میں تم کو ڈراؤں اور وہ ڈرائیں جن کو یہ قرآن پہنچے"۔(خزائن العرفان)

۶۔تواصی بالحق:

نصیحت کا مفہوم ہے کسی کو خیر خواہی کے جذبے سے کسی کام کی طرف راغب کرنا یا مسلسل کسی کام کی تاکید کرتے رہنا۔المفردات میں اس کا ایک مفہوم وعظ ونصیحت سے کوئی کام کرنے پر ابھارنا بھی بیان ہوا ہے۔سورۃ البلد آیت ۱۷ میں ارشاد ہوا،"جو ایمان لائے اور انہوں نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں"۔سورۃ العصر میں فرمایا گیا،"جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی"۔(کنزالایمان)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لیے دینی دعوت کو ان چھ اوصاف کا جامع ہونا چاہیے۔

۱۔دینی دعوت محض رضائے الٰہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور آقا و مولیٰ ﷺ کی طرف بلانے پر مبنی ہونی چاہیے

۲۔داعی جو دینی تعلیمات جانتا ہو وہ پر اثر انداز میں لوگوں تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کرتا رہے۔

۳۔جو لوگ مقصد حیات سے غافل ہوں انہیں انکی دینی ذمہ داریاں سمجھانے کے علاوہ بار بار یاددہانی بھی کرائی جائے۔

۴۔داعی کو چاہیے کہ وہ حکمت کے ساتھ لوگوں کو رحمت ومغفرت اور اجر وثواب کی خوشخبری بھی دیتا رہے۔

۵۔نیز انہیں گناہوں اور غفلت سے باز رکھنے کے لیے حسب توقع خوف خدا اور حساب وعذاب پر مبنی آیات واحادیث بھی سناتا رہے۔

۶۔ داعی پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو وعظ ونصیحت کے ذریعے حق بات کی تاکید کرے اور پھر مسلسل راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کی وصیت کرتا رہے۔

دینی دعوت کا ایک وصف جسے سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۴ کے حوالے سے کتاب کے آغاز میں بیان کیا گیا، یہ ہے کہ دعوت حق کا فریضہ انجام دینے کے لیے ایک منظم جماعت یا تنظیم ہونی چاہیے جو دین حق کے غلبہ کے لیے اجتماعی طور پر جدوجہد کرے۔ داعیان حق کی یہ جماعت اور تنظیم دراصل انکے یکساں نظریات، نیک عزائم اور پر خلوص جذبات کا اتحاد ہوتا ہے اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ''بیشک اللہ دوست رکھتا ہے انہیں جو اسکی راہ میں لڑتے ہیں صف باندھ کر، گویا وہ سیسہ پلائی دیوار ہیں''۔ (الصف:۴)

ترتیب دعوت:

ذاتی اصلاح کے ساتھ ساتھ سب سے پہلے اپنے گھر والوں کی اصلاح پر توجہ دینی چاہیے۔ اپنے گھر والوں کی اصلاح وتربیت سے غافل ہو کر دوسرے شہروں کے پھیرے لگانا اور دور دراز کے لوگوں کی اصلاح کی خاطر چلنے کے لیے نکل جانا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی اپنا گھر جلتا چھوڑ کر پانی کی بالٹی لیے دوسرے علاقے میں نکل جائے اور وہاں تلاش کرے کہ کسی کے گھر آگ لگی ہو تو بجھا دی جائے۔ کیا یہ جہالت وحماقت نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان عالی شان ہے، ''اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ''۔ (التحریم:۶، کنزالایمان)

جس طرح ہر شخص اپنے اہل وعیال کی پرورش کے لیے تکالیف برداشت کرتا ہے اسی طرح اسے چاہیے کہ وہ انہیں دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے ہر ممکن سعی کرے اور یہ اسکی شرعی ذمہ داری ہے۔ آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا۔ ''تم میں سے ہر ایک نگراں اور ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اسکی رعایا

کے بارے میں پوچھا جائیگا ،حاکم نگراں ہے اس سے اسکی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا، ہر شخص اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اس سے انکے بارے میں سوال ہوگا، ہر عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اس سے اسکے بارے میں پوچھا جائے گا'' (بخاری، مسلم) اس اہم ذمہ داری کے پیش نظر آقا علیہ السلام نے نصیحت فرمائی کہ تم اپنے گھر والوں کی تربیت میں اپنی چھڑی ان سے نہ ہٹانا یعنی مناسب سختی کرتے رہنا۔ (احمد، طبرانی)

حضور علیہ السلام کا رشاد گرامی ہے کہ تین اشخاص پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام فرمادی اول :شراب کا عادی، دوم والدین کا نافرمان، سوم :وہ بے حیا جو اپنے گھر میں بے حیائی اور بے غیرتی کے کام ہونے دے، (احمد، نسائی) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کی دینی تربیت کرنے اور ان سے دینی احکام پر عمل کروانے میں مناسب سختی کرے۔ یہ اہل وعیال کے حقوق میں سے ایک ہے قیامت کے دن اس سے غفلت پر بھی بعض لوگوں کو عذاب دیا جائے گا۔ اس بارے میں ایک عبرت انگیز روایت پڑھیے شائد یہی ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلانے کا سبب بن جائے۔ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

قیامت میں ایک شخص بارگاہ الٰہی میں لایا جائے گا اسکی بیوی اور اولاد اسکی شکایت کرتے ہوئے عرض کریں گے ،الٰہی !اس سے ہمارے حقوق کے متعلق مواخذہ کر کیونکہ اس نے ہمیں دین کا علم نہ سکھایا اور ہمیں حرام کما کر کھلایا اور ہم بے علم تھے۔ لہٰذا اس شخص کو حرام کمانے کے سبب عذاب ہوگا یہاں تک کہ اس کا گوشت جھڑ جائیگا اسکے بعد انہیں میزان پر لایا جائے گا تو فرشتے اس شخص کی پہاڑ کے برابر نیکیاں لائیں گے اسکے گھر والوں میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر

کہے گا کہ میری نیکیاں کم ہیں اور وہ انکی نیکیوں میں سے لے لے گا پھر دوسرا آگے بڑھے گا اور وہ بھی انکی نیکیوں میں سے اپنی کمی پوری کرے گا اس طرح اسکے اہل وعیال انکی ساری نیکیاں لے جائیں گے تو وہ شخص اپنے گھر والوں سے یوں مخاطب ہوگا، ''آہ اب میری گردن پر وہ گناہ رہ گئے جو میں نے تمہارے لیے کیے تھے'' فرشتے کہیں گے یہ وہ بدنصیب شخص ہے جس کے گھر والے انکی ساری نیکیاں لے گئے اور یہ انکی وجہ سے جہنم میں جائے گا۔ (قرۃ العیون)

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ''جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو نماز سے غفلت پر مارو اور انکے بستر بھی علیحدہ کردو''۔ (ابوداؤد) معلوم ہوا کہ اولاد کی دینی تربیت میں مناسب سختی کرنا ضروری ہے۔ خلاف شرع کاموں پر دیگر اہل خانہ کی اصلاح کی لیے بھی سختی کرنے کا قرآن کریم نے حکم دیا ہے ارشاد ہوا، ''جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور ان سے الگ سوؤ اور انہیں (ہلکی مار) مارو''۔ (النساء: ۳۴) بوقت ضرورت کسی خلاف شرع کام کو مٹانے کے لیے کوئی عملی اقدام بھی اٹھایا جاسکتا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آقا علیہ السلام میرے پاس تشریف لائے اس وقت گھر میں ایک پردہ لٹک رہا تھا جس پر تصویریں تھیں آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا آپ نے اس پردے کو پھاڑ دیا اور فرمایا قیامت میں سب سے زیادہ عذاب انکو ہوگا جو تصویریں بناتے ہیں۔ (بخاری)

گھر والوں کو اصلاح کے بعد زیادہ حق عزیز واقارب کا ہوتا ہے چنانچہ ارشاد ہوا، ''اور اے محبوب! اپنے قریب تر رشتہ داروں کو ڈراؤ''، (الشعراء: ۲۱۴، کنز الایمان) اگر دینی دعوت میں انکا ساتھ میسر آگیا تو کام پھیلانے میں زیادہ آسانی ہوگی کیونکہ قریبی تعلق اور محبت کے باعث وہ بھرپور تعاون کریں گے اور دوسری

بات یہ کہ انکے ساتھ ہونے کا دوسرے لوگوں پر اچھا اثر پڑے گا اور داعی کے لیے آزمائشیں نسبتاً کم ہو جائیں گی پھر دینی دعوت کا سلسلہ پورے محلے اور پھر شہر تک وسیع ہو سکتا ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام کو عزیز و اقارب کے بعد مکہ مکرمہ اور اسکے اطراف کے لوگوں تک دعوت و تبلیغ کے لیے فرمایا گیا۔ ارشاد ہوا، ''تم ڈراؤ سب شہروں کی اصل مکہ والوں کو اور جتنے اسکے گرد ہیں''۔ (الشوریٰ:۷) پھر حکم ہوا کہ اے محبوب آپ تمام انسانوں کو مخاطب کر کے یہ فرما دیں، ''اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں''۔ (الاعراف:۱۵۸)

ذرائع دعوت:

داعیان حق کو دینی دعوت عام لوگوں تک پہنچانے کے لیے ایسی حکمت عملی طے کرنی چاہیے کہ ہر شخص تک ان کا پیغام پہنچ جائے۔ دعوت پہنچانا آپ کا کام ہے خواہ کوئی قبول کرے یا نہیں، اس ضمن میں پہلی بات یہ ہے کہ آپکے نظریات وافکار آپکے ذہن میں بالکل واضح ہوں تا کہ آپ لوگوں کو بتا سکیں کہ آپکو صراط مستقیم کی پوری بصیرت حاصل ہے اور یہ راستہ آپ نے سوچ سمجھ کر اپنایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ''(اے محبوب!) تم فرماؤ یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں اور اللہ کو پاکی ہے اور میں شریک کرنے والا (مشرک) نہیں''۔ (یوسف:۱۰۸، کنزالایمان)

چونکہ دین کے نام پر ملک میں بہت سی تنظیمیں کام کر رہی ہیں اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ آپ اپنی دعوت کے امتیازی اوصاف عوام تک پہنچائیں تا کہ آپ کی دعوت کی برتری ثابت ہو اور وہ آپ کی طرف مائل ہوں بہت سے لوگ یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کی تنظیم کے اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ ان اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے آپ نے کیا طریقہ کار اختیار کیا ہے؟ آپ کو

مقاصد کے حصول میں کتنی کامیابی ہوئی ہے؟ آپ کی سرگرمیاں دوسرے لوگوں پر کیا فوقیت رکھتی ہے؟ آپ کی تنظیم کی قیادت کیسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے؟ وغیرہ۔اس طرح کے سوالوں کے مناسب جوابات جاننے کے بعد لوگوں کے لیے آپکا ساتھ دینے کا فیصلہ کرنا آسان ہوجائے گا۔

دعوت بذریعہ محافل دروس ونعت:

قرآن وحدیث کی تعلیمات پر مبنی دروس کا انعقاد دعوت حق کو پھیلانے میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے اس کے لیے کسی صحیح العقیدہ باعمل عالم دین سے مسجد یا کسی بھی گھر میں دین سکھانے کا آغاز کیا جاسکتا ہے۔ یونہی خواتین کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے کسی سنی عالمہ سے کسی گھر میں درس کا انعقاد وقت کی نہایت اہم ضرورت ہے۔ مسجد میں لوگوں کو جمع کرنے میں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی جبکہ کسی گھر میں درس کے انعقاد کے لیے لوگوں کو شخصی رابطوں کے ذریعے مدعو کرنا ضروری ہوتا ہے ذاتی تعلقات اور میل جول اس ضمن میں بہت کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔

ہر عمارت کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے دین اسلام کی بنیاد توحید ورسالت اور آخرت کے عقائد ہیں۔اگرچہ ہر مسلمان انکے بارے میں کچھ نہ کچھ علم رکھتا ہے لیکن ان کا صحیح علم دوسروں تک پہنچانا داعی کی اولین ذمہ داری ہو تی ہے یہ ایک حقیقت ہے کہ ان عقائد پر مسلمان کا ایمان مضبوط ہوجائے تو اس کی زندگی ایک روحانی انقلاب سے آشنا ہوجاتی ہے اور پھر اسے اپنے اعمال کی اصلاح کرنا بالکل دشوار نہیں ہوتا۔اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ فقہی مسائل کو عقائد پر ترجیح دیتے ہیں اور ایسے پروگراموں میں شرکت کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں جن میں طہارت ونماز وغیرہ کے مسائل بیان کیے جائیں،

اس طرح بعض لوگ ذکر ونعت کی محافل کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں لوگوں کے ذہنی رجحان کے مطابق فقہی مسائل کی تعلیم یا ذکر ونعت کو بھی دینی دعوت پہنچانے کا نقطہء آغاز بنایا جاسکتا ہے۔

ہفتہ وار درس کے علاوہ روزانہ مختصر دورانیہ کا درس بھی نصب العین کی یاد دہانی میں مددگار ثابت ہوتا ہے نیز ایسے مواقع پر دعوت دین کے لیے خصوصی پروگرام ضرور منعقد ہونے چاہیں جب لوگوں کو جمع کرنے میں معمولی سی محنت درکار ہوتی ہے جیسے شب معراج، شب برات، میلاد النبی ﷺ، یوم عاشورہ اور رمضان المبارک کا پورا مہینہ۔ بچوں میں قرات، نعت، تقریر اور دینی معلومات کے مقابلے کروا کے یا بچوں کی دینی تربیت کے لیے خصوصی نشستیں منعقد کر کے ان میں بھی دینی سوچ کو پروان چڑھانا داعیان حق کی اہم ذمہ داری ہے۔

۲: دعوت بذریعہ ملاقات ورابطہ:

مساجد میں منعقدہ پروگراموں میں عموماً نمازی حضرات شریک ہو جاتے ہیں لیکن جو لوگ مسجد نہیں آتے انہیں دعوت دین کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ داعی ان سے انکے گھر یا دوکان یا دفتر وغیرہ جا کر ملاقات کرے اور خیریت و عافیت پوچھنے کے ساتھ ساتھ حکمت کے ساتھ مقصد حیات یاد دلائے اور اللہ عزوجل کی بندگی اور آقا علیہ السلام کی اطاعت کی طرف راغب کرے۔ دعوت دیتے وقت مخاطب کی ذہنی سطح کے علاوہ اسکے مرتبہ کا لحاظ رکھنا بھی حکمت کا تقاضا ہے اسی لیے آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے، ”لوگوں سے ان کے مرتبہ کے مطابق برتاؤ کرو“۔ (مشکوۃ) ایک عام تعلیم یافتہ، ایک ان پڑھ اور ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ شخص سے گفتگو کرتے ہوئے اس فرق کو ضرور ملحوظ خاطر رکھا جائے۔

دعوت حق کو قبول کرنے میں اکثر لوگوں کی تعلیم، دولت یا حیثیت ہی

انکے لیے رکاوٹ ہوتی ہے اس لیے موقع محل دیکھ کر مناسب طریقہ کار اختیار کیا جائے۔ دوران گفتگو ابتدا میں اختلافی امور سے گریز کیا جائے اور پہلی ہی گفتگو کو فیصلہ کن مرحلہ تک پہنچانا بھی ضروری رکھا جائے۔ کیونکہ اگر پانی کے قطرے مسلسل کسی پتھر پر بھی پڑیں تو اس میں سوراخ ہو جاتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ رٹے رٹائے جملے داعیانہ تڑپ اور روحانیت سے خالی ہوتے ہیں۔

عقائد کی اصلاح کے بعد اعمال کی باری آتی ہے اور اعمال میں اہم ترین فریضہ نماز ہے۔ اصلاح وفکر وعمل کے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو عذاب الہیٰ سے ڈرایا جائے تاکہ وہ غفلت کی نیند سے بیدار ہوں اور اس کی رحمت و مغفرت کا بھی ذکر کیا جائے تاکہ مایوسی تاری نہ ہو بلکہ اجر وثواب کا ذکر انہیں زیادہ نیکیوں کی طرف راغب کرنے کا باعث ہو۔ دینی دعوت دیتے وقت یہ بھی خیال رکھا جائے کہ بعض تو صرف سن کر مان جاتے ہیں کہ فلاں کتاب میں اس طرح لکھا ہے مگر مادیت پرست اور غفلت زدہ لوگ جو اسلام سے زیادہ سائنس کے پرستار ہوتے ہیں وہ مطمئن نہیں ہوتے۔ اس لیے داعی کو چاہیے کہ وہ جس موضوع پر گفتگو کرے اس کے بارے میں مطالعہ کر کے عقلی دلائل بھی بیان کرے اس سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ جلد متاثر ہو جاتا ہے۔

۳۔ دعوت بذریعہ کتب وکیسٹ:

اچھی کتاب ایک بہترین دوست، مشفق معلم اور تبلیغ واشاعت دین کا ایک موثر ذریعہ ہے خاص طور پر خواتین تک دینی دعوت پہنچانے کے لیے یہ اہم ترین ذریعہ ہے کیونکہ خواتین مساجد میں درس وعظ کی نشستوں میں شریک نہیں ہو سکتیں اور کتاب کے ذریعے وہ گھر بیٹھے دینی تعلیمات سے آگہی حاصل کر سکتی ہیں۔ اہلسنت کی کم نصیبی ہے کہ خواتین کی دینی تعلیم وتربیت پر اب تک بہت کم

توجہ دی گئی ہے۔

داعیان حق کے پاس مناسب تعداد میں دینی کتابچے یا پمفلٹ موجود ہونے چاہییں جنہیں وہ رابطہ کے دوران وہ لوگوں تک پہنچا سکیں۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ دینی کتب پر مشتمل ایک لائبریری ہر علاقے میں قائم کی جائے جہاں لوگ مطالعہ کے لیے کتب لے سکیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ تنظیم کے اراکین اپنے اپنے علاقے کی مساجد کے باہر نماز جمعہ کے وقت سٹال لگائیں اور رعایتی ہدیہ پر قرآن کریم مع ترجمہ کنزالایمان، جید علماء اہلسنت کی کتب اور کم ہدیے والے کتابچے لوگوں تک پہنچائیں، اسٹال کے تعارف کے لیے اس مسجد کے خطیب صاحب سے اعلان کی درخواست کی جائے تو موزوں ہوگا۔ اس مصروف دور میں لوگوں کے پاس بازار جا کر صحیح اسلامی فکر رکھنے والی کتابیں خریدنے کا بھی وقت نہیں ہے اسطرح انہیں اپنے گھر کے قریب سے صحیح العقیدہ علماء حق کی کتب میسر آسکتی ہیں۔

ایک تیسری صورت یہ ہے کہ دینی کتب اور پمفلٹ لوگوں کو مفت دیے جائیں یہ کام انفرادی طور پر تو ہر مبلغ ضرور کرے لیکن اجتماعی طور پر اس فریضہ کی ادائیگی تو وقت کی اشد ضرورت ہے داعیان حق کو چاہیے کہ وہ مخیر حضرات سے رابطہ کر کے انہیں اس کام کی اہمیت کا احساس دلائیں اور راہ خدا میں مال خرچ کرنے پر مبنی آیات واحادیث کی روشنی میں اس کار خیر کے لیے آمادہ کریں۔ آقا علیہ اسلام کا یہ فرمان عالیشان مشعل راہ بنائیے۔ ''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے مگر تین اعمال کے ثواب اسے ہمیشہ ملتے رہتے ہیں اول صدقہ جاریہ، دوم وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، سوم وہ نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے''۔ (مسلم)

سائنسی ترقی کے باعث اب دعوت دین پہنچانے کا ایک اور موثر ذریعہ آڈیو کیسٹ بھی ہے مختلف علماء حق کی تقاریر اور نعتوں کی کیسٹیں لوگوں تک پہنچانے کے لیے ہر علاقے میں ایک کیسٹ لائبریری قائم کی جاسکتی ہے نیز کیسٹوں کو بھی بذریعہ اسٹال لوگوں کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے۔ لوگوں کو اس سلسلے میں ترغیب دی جائے کہ وہ کسی بھی وقت پورے ہفتے میں ایک وعظ کی کیسٹ ضرور سنیں، اگر انکے پاس گاڑی ہو تو دفتر وغیرہ جاتے ہوئے یہ کام باآسانی کرسکتے ہیں۔ اسی طرح انہیں اس بات پر بھی آمادہ کیا جائے کہ وہ اپنے گھر میں قرات اور نعتوں کی کیسٹیں بھی ضرور رکھیں، اس طرح گانوں والی برائی کا بھی خوب مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

باب دوم

داعیان حق کے اوصاف:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے والوں کے لیے امام غزالی کیمیائے سعادت میں تین اوصاف لازم قرار دیتے ہیں۔ اول: علم، دوم: تقویٰ، سوم: حسن اخلاق۔ فتاویٰ عالم گیری میں ہے کہ نیکی کا حکم دینے والے کے لیے پانچ باتیں ضروری ہیں۔

۱۔ علم کہ علم کے بغیر اس کام کو اچھے طریقے سے نہیں کیا جاسکتا،

۲۔ اس کام سے رضائے الٰہی اور دین کی سربلندی مقصود ہو،

۳۔ جس کو نیکی کا حکم دے شفقت ونرمی سے دے،

۴۔ نیکی کا حکم دینے والا مشکلات پر صبر کرنے والا ہو،

۵۔ وہ خود بھی نیکی پر عمل کرتا ہو،

داعیان حق یا مبلغین کے اوصاف کو مندرجہ ذیل عنوانات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

۱۔ محبت خدا عزوجل وعشق رسول ﷺ

۲۔ اخلاص نیت

۳۔ حصول علم وفہم دین

۴۔ داعیانہ تڑپ

۵۔ قول وفعل میں یکسانیت

۶۔ حکمت ودانائی

۷۔ نرمی اور شفقت

۸۔ عفو و درگذر

۹۔ تدریج

۱۰۔ میانہ روی

۱۱۔ صبر و استقامت

۱۔ محبت خدا عزوجل و عشق رسول ﷺ

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ”تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہاری پسند کا مکان، یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اسکی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی عذاب لائے، اور اللہ فاسقوں کو راہ (ہدایت) نہیں دیتا“۔ (التوبہ: ۲۴، کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ داعی کے دل میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ، اور اسکے رسول ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ کی محبت دنیا اور اس میں موجود تمام محبوب رشتوں اور پیاری نعمتوں سے زائد ہوتی ہے۔ ایک صحابی بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے لیکن اس کی ان سے ملاقات نہ ہو سکی؟ ارشاد فرمایا ”اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ“ وہ انہی کے ساتھ ہوگا جن کے وہ ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے“۔ (بخاری، مسلم) ثابت ہوا کہ محبت زماں و مکان کے فاصلے مٹا کر مومن کو اس کے حقیقی محبوب کے قریب کر دیتی ہے اور پھر محبوب کی رفاقت و قرب کا احساس بندے کو ہر خوف و غم سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

عجب چیز ہے لذت آشنائی دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

ایک اور صحابی نے آقا و مولیٰ ﷺ سے سوال کیا، قیامت کب آئیگی؟

ارشاد فرمایا، قیامت کے لیے تو نے کیا تیاری کی ہے؟ عرض کی، نہ بہت ساری نمازیں جمع کیں ہیں نہ روزے اور نہ ہی صدقے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ انت مع من احببت یعنی تو قیامت میں انہی کے ساتھ ہوگا جن سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام لانے کے بعد کسی بات پر ایسا خوش ہوتے نہ دیکھا جیسا وہ اس بات سے خوش ہوئے، (بخاری، مسلم)

محبت رسول ﷺ ایمان کی حلاوت عطا کرتی ہے اور قوت محرکہ کے طور پر نبی کریم ﷺ کی اطاعت کی طرف مائل کرتی ہے اور انجام کار محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ ہر دعوے کی کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ محبت رسول ﷺ کا دعویٰ کرتے ہوں اور آپ کے لمحات اور آپ کے شب و روز آقا علیہ اسلام کی اطاعت و پیروی سے خالی ہوں، رؤف الرحیم آقا علیہ السلام کی نعتیں سن کر آپ سبحان اللہ تو کہتے ہوں گے مگر تعریف زباں پر جاری ہو اور اعمال پر کوئی اثر نہ پڑتا ہو؟ کون مسلمان ایسا کم نصیب ہوگا جو دنیا میں حضور اکرم ﷺ کی رحمت اور آخرت میں آپ کے قرب سے محروم ہونا چاہے گا؟ یقیناً کوئی نہیں تو پھر لازم ہے کہ آقا علیہ السلام کی محبت کی شمع اپنے سینے میں فروزاں کی جائے۔

راہ حق کے داعی کو تو عشق رسول ﷺ کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس راہ میں کئی مشکل مقام آتے ہیں اور جب تک داعی اپنے محبوب و کریم آقا علیہ السلام کی محبت کے جذبے سے سرشار نہ ہو وہ اس راہ کی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ نہیں کرسکتا۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ عشق مصطفیٰ ﷺ آپ کے سینوں میں راسخ ہو جائے اور آپ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے رنگ میں

ایسے رنگ جائیں کہ ان کا مشن آپ کا مشن ہو، انکی ادائیں آپ کا طرز زندگی بنیں اور آپ کے روز و شب انکے اسوہ حسنہ کے سانچے میں ڈھل جائیں، پھر آپ بھی یہ فخر کے ساتھ یہ اعلان کرسکیں، ہم اللہ کے رنگ میں رنگ گئے اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ؟ اور ہم تو اسی کو پوجتے ہیں''۔ (البقرہ: ۱۳۸) اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں،

دل ہے وہ دل جو تیری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا

۲۔ اخلاص نیت:

داعی یا مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ اس کی نیت صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہو ورنہ اسکی ساری جدوجہد رائیگاں جائے گی، بخاری و مسلم میں ہے کہ ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لیے وہی ہے جو وہ نیت کرے''۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت میں پہلے شہید کو لایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، تو نے میری رضا کے لیے جہاد نہیں کیا بلکہ تو نے اس لیے جنگ کی کہ تجھے بہادر کہا جائے، وہ کہہ لیا گیا، پھر حکم ہوگا تو اسے منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر وہ جس نے علم سیکھا، سکھایا اور قرآن پڑا اسے لایا جائے گا اس سے رب تعالیٰ فرمائے گا تو نے علم اس لیے سیکھا کہ تجھے عالم کہا جائے، قرآن اس لیے پڑا کہ تجھے قاری کہا جائے وہ کہہ لیا گیا، پھر حکم ہوگا تو وہ اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا پھر وہ جسے اللہ نے خوب مال دیا، لایا جائے گا اس سے رب تعالیٰ فرمائے گا، تو نے اس لیے مال خرچ کیا کہ تجھے سخی کہا جائے وہ کہہ لیا گیا پھر اسے بھی منہ کے بل گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ عبادات میں اخلاص بہت ضروری ہے جو نیکی دکھاوے، شہرت یا کسی اور دنیاوی غرض سے کی جائے برباد ہو جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ''اللہ کو پوجو نرے اس کے بندے ہو کر''۔ (الزمر:۲) یعنی اخلاص اختیار کرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''اخلاص اللہ تعالیٰ کے رازوں میں سے ایک راز ہے، رب تعالیٰ کا ارشاد ہے، میں اسے اسکے دل میں رکھتا ہوں جسے دوست بنالیتا ہوں''۔

امام غزالی فرماتے ہیں، علم بیج ہے، عمل کھیتی ہے اور اخلاص پانی ہے۔ (کیمیائے سعادت) اخلاص کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ علم دین سیکھنا فرض ہے لیکن بری نیت اس اہم نیکی کو برباد کر دیتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے، جس نے علم اس لیے حاصل کیا کہ علماء سے مقابلہ کرے گا، جاہلوں سے جھگڑے گا اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔ (ترمذی)

صحابہ کرام علیہم الرضوان اخلاص کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ایک بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک کافر کو زمین پر گرا دیا اور اس کے سینے پر چڑھ کر اسے قتل کرنا چاہتے تھے کہ اس نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا اور فرمایا، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں تجھے قتل کروں تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ اپنے نفس کے لیے ہوگا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی مجرم کو درے لگا رہے تھے کہ اس نے آپ کو گالی دے دی اس پر آپ نے درے لگانا روک دیا، اور پوچھنے پر فرمایا، اب تک میرا اسے مارنا رب تعالیٰ کے لیے تھا اب گالی سننے کے بعد میں اگر تمہیں ماروں تو اس میں میرا غصہ بھی شامل ہوگا۔ آقا علیہ اسلام نے ایک صحابی سے فرمایا، عمل اخلاص سے کیا کرو کیونکہ ایسا عمل کم بھی ہو تو کافی ہوگا۔ (کیمیائے سعادت)

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جسے معلوم ہوا کہ فلاں جگہ ایک درخت ہے جس کی لوگ پوجا کرتے ہیں اس عابد نے کلہاڑا اٹھایا اور اس درخت کو کاٹنے

چل دیا راستے میں ایک بوڑھے کی شکل میں اسے ابلیس ملا اور پوچھا کہاں جارہے ہو عابد نے کہا کہ اس درخت کو کاٹنے جارہا ہوں، ابلیس نے کہا کہ اللہ کی عبادت کر اس درخت کا خیال چھوڑ دے۔ عابد بولا میں یہ نیک کام ضرور کروں گا شیطان کہا میں ہرگز نہیں کرنے دوں گا۔ دونوں میں ہاتھا پائی ہوئی عابد نے ایک ہی وار میں شیطان کو زمین پردے مارا اور خود اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ شیطان نے ایک اور چال چلی، بولا اگر تو مجھے چھوڑ دے تو میں تجھے کام کی بات بتاؤں، عابد نے چھوڑ دیا اور کہا کیا بات ہے؟ وہ بولا، اگر اس درخت کو کاٹنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو حکم دیتا اور پھر یہ کہ تمہیں اس کا حکم بھی نہیں دیا ہے اس لیے یہ ارادہ چھوڑ دو۔ عابد نے کہا کہ ہرگز نہیں اس وقت میری عبادت یہی ہے کہ وہ درخت کاٹ دوں۔ دونوں میں پھر لڑائی ہوئی اور عابد پھر اسے گرا کر سینے پر چڑھ گیا۔

ابلیس نے کہا، اب اگر تو مجھے چھوڑ دے تو ایک اور بات بتاؤں گا پسند نہ آئے تو جو جی چاہے کرنا۔ عابد نے چھوڑ دیا شیطان بولا، اے نیک شخص! تم بہت غریب ہو اگر تمہارے پاس کچھ مال ہو تو خود بھی کام میں لاؤ اور فقراء پر بھی خرچ کرو اور ثواب کماؤ اگر تم نے وہ درخت کاٹ بھی دیا تو لوگ دوسرے درخت کی پوجا کریں گے اور اگر تم یہ ارادہ چھوڑ دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ روزانہ صبح تمہارے سرہانے دو دینار رکھ دیا کروں گا۔ عابد نے سوچا ٹھیک ہی تو کہتا ہے میں ایک دینار خرچ کروں گا اور دوسرا راہ خدا میں صدقہ کروں گا اور مجھے درخت کاٹنے کا حکم بھی تو نہیں دیا گیا یہ سوچ کر وہ گھر واپس آ گیا۔

تین دن تک تو اسے دو دینار ملتے رہے چوتھے روز کچھ نہ ملا اسے بہت غصہ آیا وہ پھر کلہاڑا لیکر درخت کاٹنے چلا راستے میں ابلیس آ کھڑا ہوا اور پوچھا کہاں چلے؟ عابد نے کہا درخت کاٹنے۔ وہ بولا، اب تم درخت نہیں کاٹ

سکتے۔ دونوں میں پھر لڑائی ہوئی مگر اس مرتبہ شیطان عابد کو گرا کر اس کے سینے پر چڑھ گیا اور بولا واپس جاتے ہو یا گردن کاٹ دوں؟ عابد نے خوف زدہ ہو کر کہا، مجھے چھوڑ دے میں واپس چلا جاتا ہوں مگر یہ بتا اس مرتبہ تو نے اتنی آسانی سے مجھے کیسے بے بس کر دیا؟ ابلیس بولا، بات یہ ہے کہ پہلے تیرا غصہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھا اس لیے میں مغلوب ہو گیا کیونکہ میں کسی ایسے شخص پر قابو نہیں پا سکتا جو اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی کام کرے مگر جو اپنے نفس کی خاطر کوئی نیک کام کرے وہ مجھ پر غالب نہیں آسکتا چونکہ اس بار تیرا غصہ دیناروں کے لیے تھا اس لیے تو فوراً مغلوب ہو گیا۔ (کیمیائے سعادت)

شیطان اکثر داعیان حق کو ایسے ہی مکر و فریب کے ذریعے زیر کرتا ہے پھر داعی یہ چاہتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، اسے نمایاں مقام دیا جائے، لوگ اس کا خاص احترام کریں اور خاطر تواضع بھی کریں وغیرہ۔ غرض یہ کہ پھر داعی کے دل میں غرور و تکبر جنم لیتا ہے جو کہ ہلاکت و بربادی کا بڑا سبب ہے۔ داعیان حق کو چاہیے کہ دعوت و تبلیغ کا فریضہ بغیر کسی دنیاوی مفاد کے محض رضائے الہیٰ کے لیے سرانجام دیں اور لوگوں سے کسی نفع یا تعریف وغیرہ کی ہرگز امید نہ رکھیں نیز انبیاء کرام کے اس قول کو مشعل راہ بنائیں۔

میں اس (دعوت و تبلیغ) پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہاں کا رب ہے''۔ (الشعراء:۱۰۹) حضرت یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا، مخلص کون ہے؟ فرمایا، جس طرح شیر خوار بچے کو نہ تو تعریف اچھی لگتی ہے اور نہ مذمت بری معلوم ہوتی ہے اسی طرح جب انسان تعریف و تنقید کی پرواہ نہ کرے تو وہ مخلص ہو جاتا ہے (اخلاق الصالحین)

۳۔ حصول علم وفہم دین:

آقا ومولیٰ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ''علم دین سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے''۔ (مسند امام اعظم، ابن ماجہ) شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں، علم سے مراد وہ علم ہے جو مسلمانوں کو وقت پر جاننا ضروری ہے مثال کے طور پر جب کوئی اسلام میں داخل ہوا تو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور حضور ﷺ کی نبوت کو جاننا فرض ہو گیا جس کے بغیر ایمان صحیح نہیں، اور جب نماز کا وقت آ گیا تو اس پر نماز کے احکام جاننا فرض ہو گئے اور جب ماہ رمضان آیا تو روزے کے احکام سیکھنا فرض ہوئے اور جب مالک نصاب ہوا تو زکوٰۃ کے مسائل جاننا فرض ہوئے اور جب نکاح کیا تو حیض ونفاس وغیرہ جتنے مسائل کا بھی زن وشوہر سے تعلق ہے وہ سیکھنا فرض ہو گئے''۔ (اشعۃ اللمعات)

اس سے معلوم ہوا کہ داعی کو دین کے تمام بنیادی مسائل کسی صحیح العقیدہ سنی عالم سے سیکھنے چاہییں کیونکہ علم سیکھنے سے ہی دینی بصیرت پیدا ہوتی ہے آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے، ''اللہ تعالیٰ جسکے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے (بخاری، مسلم) اگر داعی کو ضروری علم حاصل نہ ہو تو وہ اصلاح وتربیت کا اہم فریضہ ادا نہیں کر سکتا۔ قرآن حکیم میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ دین کا علم بندے کو خوف خدا کی نعمت عطا کرتا ہے اور درجات کی بلندی کا باعث بھی ہے ارشاد ہوا، ''اللہ اسکے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں''۔ (فاطر: ۲۸) مزید فرمایا گیا، ''اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور انکے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا''۔ (المجادلہ: ۱۱) حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل علم وہی ہیں جو اپنے

علم پر عمل کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر حکمت کی اصل ہے۔

اب علم دین سیکھنے کے بارے میں چند احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

آقا علیہ السلام کا فرمان عالیشان ہے، ''جو علم دین سیکھنے نکلا وہ واپسی تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہے''۔ (ترمذی) دمشق کی مسجد میں ایک شخص حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگا، میں مدینہ منورہ سے آپ کے پاس صرف ایک حدیث سننے کے لیے آیا ہوں اس کے علاوہ مجھے کوئی کام نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص علم دین طلب کرنے کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلاتا ہے، بیشک فرشتے طالب علم کی خوشنودی کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور بیشک آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اور پانی میں مچھلیاں اس کے لیے دعائے مغفرت کرتی رہتی ہیں اور یقیناً عالم کی فضیلت عابد پر وہی ہے جو چودھویں رات کے چاند کی تمام ستاروں پر اور بیشک علماء حق انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں''۔ (ترمذی، ابوداؤد)

ایک اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا، ''خبردار! بیشک دنیا ملعون ہے اور جو چیزیں اس میں ہیں وہ بھی ملعون ہیں مگر ذکر الٰہی اور وہ چیزیں جنہیں رب تعالیٰ محبوب رکھتا ہے اور عالم یا طالب علم بھی''۔ (ترمذی) ایک اور حدیث میں فرمایا گیا، ''جس نے عالم کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی اور جس نے عالم سے مصافحہ کیا گویا اس نے مجھ سے مصافحہ کیا اور جس نے عالم کی صحبت اختیار کی گویا اس نے میری صحبت اختیار کی، اللہ عزوجل اس کو جنت میں میرا ہمنشین بنائے گا''۔ (تنبیہ الغافلین) حضور علیہ السلام کا ایک اور ارشاد ہے، ''ایک فقیہ یعنی عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے''۔ (ترمذی) ان تمام

احادیث مبارکہ میں عالم سے مراد صحیح العقیدہ سنی عالم باعمل ہے۔

ایک بار رسول معظم ﷺ مسجد نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک جماعت عبادت و دعا میں مشغول ہے اور ایک مجلس میں دینی علم سیکھنے سکھانے کا سلسلہ جاری ہے آپ نے فرمایا، یہ دونوں بھلائی پر ہیں مگر ایک مجلس دوسری سے بہتر ہے، ایک مجلس والے اللہ سے دعا کر رہے ہیں اور اس کی طرف راغب ہیں اگر وہ چاہے انہیں دے چاہے نہ دے لیکن جو لوگ علم دین سیکھنے سکھانے میں مصروف ہیں وہی افضل ہیں میں بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں یہ فرما کر آپ اس مجلس میں تشریف فرما ہوئے''۔ (دارمی، مشکوۃ) ان احادیث کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ داعیان حق کے لیے دین کا علم حاصل کرنا بے حد ضروری ہے اور اس کے بیشمار فضائل ہیں نیز یہ کہ دین کا علم وفہم حاصل کر کے ہی داعیان حق اپنے تمام معاملات میں اسلام کے مطابق عمل پیرا رہ سکتے ہیں۔

۴۔ داعیانہ تڑپ:

داعیان حق کے لیے داعیانہ تڑپ پیدا کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر اس اعلیٰ منصب کا حقیقی شعور حاصل نہیں ہوتا۔ آقا و مولیٰ ﷺ کے اسوہ حسنہ کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ آپ کی ظاہری حیات مبارکہ دعوت و تبلیغ اور اصلاح فکر و عمل کے لیے جدوجہد سے عبارت ہے، ہر لمحہ یہی فکر ہے، یہی لگن ہے، یہی احساس ہے اور اسی مقصد کے لیے آپ کے شب و روز وقف ہیں۔ مکہ کی گلیوں میں کلمہ حق بلند کرنا، بدر و احد کے معرکوں میں شجاعت کا مظاہرہ کرنا، طائف میں لہولہان ہونا، گالیاں سن کر برداشت کرنا، پتھر گندگی اور دیگر اذیتوں پر صبر کرنا، شعب ابی طالب میں تین سال نظر بند رہنا یہ اسی داعیانہ جدوجہد کی مثالیں ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آقا علیہ السلام نے مجھے تلاوت کرنے کا حکم دیا میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی جب میں نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ: ''تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں''۔آیت ۴۰) تو میں نے دیکھا حضور علیہ السلام کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں''۔(بخاری، مسلم) غور فرمایئے یہ کونسی ذمہ داری کا شدید احساس تھا جس نے آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں کر دیئے، یہ ذمہ داری یقینی طور پر حق کی دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری تھی رب عزوجل کی بارگاہ میں اس ذمہ داری کے بارے میں گواہی دینے کے احساس نے آپ کی آنکھوں کو اشکبار کر دیا حالانکہ آپ سے زیادہ کامل داعی الی اللہ نہ کوئی ہوا اور نہ کوئی ہوگا۔

آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے، ''میری مثال ایسے ہے جیسے کسی نے آگ جلائی اور جب اردگرد کا ماحول آگ کی روشنی سے چمک اٹھا تو کیڑے پتنگے آگ پر گرنے لگے وہ شخص پوری قوت سے ان پروانوں، پتنگوں کو روک رہا ہے لیکن وہ اس کی کوششوں کو ناکام بنا کر آگ میں گرے جا رہے ہوں ہیں ایسے ہی میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے روک رہا ہوں اور تم ہو کے آگ میں گرے جارہے ہو''۔(بخاری) حضور علیہ السلام جہد مسلسل کے ذریعے لوگوں کو دین حق کی طرف بلایا کرتے تھے۔جب کافروں نے آپ کی پرخلوص کاوشوں کے باوجود دعوت حق کو جھٹلایا اور آپ انکے حق قبول نہ کرنے پر غمزدہ ہوئے تو قرآن عظیم نے آپ کے پرخلوص جذبے، داعیانہ تڑپ اور دوسوز کو یوں بیان فرمایا، ''کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لاتے''۔(الشعراء، ۳، کنزالایمان)

آقائے دو جہاں علیہ السلام کے دل اقدس میں لوگوں کی خیر خواہی

اور ہمدردی کا جذبہ اسقدر تھا کہ آپ جب خطاب فرماتے تو آنکھیں سرخ ہو جاتیں، جذبات میں تیزی آجاتی، ایسا معلوم ہوتا کہ کسی فوج کے حملہ آور ہونے سے آگاہ فرمارہے ہیں۔ (مسلم)

ہر داعی حق کے دل میں ایسا ہی پر خلوص جذبہ داعیانہ تڑپ اور احساس ذمہ داری ہونا چاہیے کہ وہ یہ سوچ کر لرز اٹھے اور آنسو بہائے اگر قیامت میں مجھ سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنے گھر والوں، کالج اور دفتر والوں، محلے اور شہر والوں کے سامنے حق کی گواہی دی یا نہیں تو میں کیا جواب دوں گا، وہ سوچے کہ لوگوں کے انکار کے باوجود میں بھی غصہ کی انکی ہدایت کے لیے بیقرار رہتا ہوں؟ کیا اپنے اردگرد بسنے والے تمام انسانوں تک میں نے دین حق کی دعوت پہنچادی ہے؟ مختصر یہ ہے کہ جب تک داعی منصب دعوت کی ذمہ داری کا شدید احساس اپنے دل میں پیدا نہیں کرے گا وہ اس منصب کے کما حقہ فرائض ادا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔

۵۔ قول و فعل میں یکسانیت:

داعیان حق کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انکے قول و فعل میں تضاد نہ ہو بلکہ جو دعوت وہ دوسروں تک پہنچارہے ہوں انکی عملی زندگی بھی اس دعوت حق کی آئینہ دار ہونی چاہیے اس لیے ہر داعی کو چاہیے کہ وہ نیک اعمال کرے اور برے کاموں سے دور رہے کیونکہ داعی کے قول و فعل میں تضاد اسکی دینی دعوت کے لیے شدید نقصان دہ چیز ہے۔ ارشاد باری تعالی ہوا، ''کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تمہیں عقل نہیں''۔ (البقرہ:۴۴) یعنی دوسروں کو نصیحت کرنے سے قبل داعی کو خود اچھائیوں کو اپنا لینا

اور برائیوں کو چھوڑ دینا چاہیے ایک اور جگہ فرمایا گیا، ''اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو کرتے نہیں، کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو''۔

(الصف: ۲،۳، کنزالایمان)

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص آگ میں پھینک دیا جائیگا اسکی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی اور وہ آگ میں اس طرح پھرے گا جس طرح گدھا اپنی چکی میں پھرتا ہے دوسرے جہنمی پوچھیں گے، کیا تم دنیا میں ہمیں نیکی کی تلقین نہیں کرتے تھے اور برائیوں سے نہیں روکتے تھے؟ وہ کہے گا ''میں تمہیں تو نیکی کی تلقین کرتا تھا مگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تھا اور تمہیں تو برائی سے روکتا تھا مگر خود برائیاں کرتا تھا''۔ (بخاری، مسلم) ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا، میں نے معراج کی شب کو دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں میں نے جبرائیل سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے عرض کی، یہ آپکی امت کے خطیب اور نصیحت کرنے والے ہیں جو لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے تھے اور اپنے آپ کو بھول جاتے تھے۔ (مشکوٰۃ)

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ دوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا اور خود اس پر عمل نہ کرنا بلاشبہ عذاب کا باعث ہے لیکن یہ عذاب عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے نہیں، اس لیے اگر کوئی عمل نہ کرسکنے کی وجہ سے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دے گا تو دو واجب ترک کرنے کی وجہ سے اور عذاب کا مستحق ہوگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے بارگاہ نبوی میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! کیا ہمیں نیکی کا حکم اس وقت دینا چاہیے جب ہم خود مکمل برائیوں سے دور ہو جائیں؟ ارشاد فرمایا، تم نیکی کا حکم دیتے رہو اگرچہ خود مکمل طور پر اس پر عمل پیرا نہ

ہواور برائیوں سے منع کرتے رہو اگرچہ تم خود برائیوں سے کنارہ کش نہ ہو سکو"۔ (طبرانی) یعنی اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کی اصلاح کا کام بھی جاری رکھنا چاہیے۔

۶ حکمت ودانائی:

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، "اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے، اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو، بیشک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکا اور وہ خوب جانتا ہے راہ والوں کو"۔ (النحل:۱۲۵)

اس آیت کی تفسیر میں صدر الا فاضل فرماتے ہیں، پکی تدبیر سے وہ دلیل محکم مراد ہے جو حق کو واضح اور شبہات کو زائل کردے اور اچھی نصیحت سے ترغیبات وترہیبات مراد ہیں۔ (خزائن العرفان)

اس آیت میں دعوت کے تین اصول بیان ہوئے ہیں اول یہ کہ دینی دعوت حکمت ودانائی کے ساتھ دی جائے، دوم یہ کہ عمدہ انداز میں اچھی نصیحت کی جائے، سوم یہ کہ بہتر طریقے پر بحث کی جائے۔ حکمت سے مراد صحیح بصیرت، درست فہم اور عقل ودانائی کے ساتھ ایسے دلائل پیش کرنا ہے جو مخاطب کو حق کو قبول کرنے پر آمادہ کردے۔ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ نے اسی لیے "حکمت" کا ترجمہ پکی تدبیر فرمایا ہے۔

حکمت کا مفہوم اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں، ایک نوجوان بارگاہ نبوت میں عرض گذار ہوا، یا رسول اللہ ﷺ! مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے۔ یہ سن کر صحابہ نے اسے مارنا چاہا مگر حضور علیہ السلام نے انہیں روک دیا اور اس نوجوان کو قریب بلا کر نرمی سے فرمایا، کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ کوئی تمہاری ماں سے یہ فعل کرے اس نے کہا کہ میں یہ کبھی پسند نہیں

کر سکتا۔ آپ نے فرمایا، دوسرے لوگ بھی اسے پسند نہیں کرتے۔ پھر آپ نے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ کے بارے میں اسی طرح سوال کیا اور ہر بار پوچھا کیا تمہیں پسند ہے؟ وہ نوجوان ہر بار یہ جواب دیتا، میری جان آپ پر قربان ہو میں یہ کبھی پسند نہیں کر سکتا، آپ ہر جواب کے بعد فرماتے لوگ بھی اسے پسند نہیں کرتے، پھر آپ نے اس کے سر پر ہاتھ مبارک رکھ کر دعا فرمائی، الٰہی! اس کے گناہ معاف فرمادے، اس کے دل کو پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ کو برائیوں سے محفوظ کر دے، پھر وہ نوجوان کبھی ایسی برائی کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ (طبرانی)

غور فرمایئے کہ آقا علیہ السلام نے کس حکمت و دانائی کے ساتھ اس کے جذبات کو عقل و دماغ کے تابع کر دیا اور اسے اس برے فعل سے نفرت دلائی، داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی کا مذاق اڑانے، سخت تنقیدی جملے کہنے اور طنزیہ انداز سے بالکل دور رہے۔ اور یہ بھی حکمت کا حصہ ہے کہ داعی دوستانہ ماحول میں گفتگو کرے، مخاطب کی بات توجہ اور اطمینان سے سنے، اس کے غلط نظریات پر فوراً تنقید نہ کرے بلکہ پہلے اس کی اچھی باتوں کی تائید کرے پھر اپنی اچھی بات تجویز کے طور پر پیش کرے اسے سوچنے کا موقع دے اور اس دوران اپنے انداز اور گفتگو سے اسے یقین دلانے کی کوشش ضرور کرے کہ ہمیں محض رضائے الٰہی کے لیے حق کو سمجھنا اور اپنانا چاہیے تاکہ ہماری آخرت سنور جائے کوشش کی جائے کہ زیادہ دیر تک موافقت کا ماحول قائم رہے یعنی گفتگو کا آغاز مشترکہ امور سے ہونا چاہیے، داعی اپنا پیغام اس انداز سے پیش کرے کہ مخاطب اسے اپنے دل کی آواز سمجھے، اس کے لیے مخاطب کی نفسیات اور اس کے حالات کا صحیح جائزہ ضروری ہے۔

ہر وقت نصیحت کرتے رہنا اکتاہٹ اور بیزاری کا باعث بن سکتا ہے

اس لیے مخاطب کے حسب حال گفتگو کی جائے ،آقا علیہ السلام جمعہ کے روز طویل وعظ نہیں فرماتے تھے (ابوداؤد) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو ہفتہ میں ایک بار وعظ سناؤ اگر نہ مانو تو دو دفع اگر ضروری ہو تو تین بار ،اس قرآن سے لوگوں کو اکتانہ دو، ایسا ہرگز نہ کرنا کہ کوئی قوم اپنی کسی بات میں مشغول ہو اور تم وعظ شروع کر کے ان کی بات کاٹ دو بلکہ خاموش رہو جب وہ خود عرض کریں تو انہیں حدیث سناؤ"۔ (مشکوۃ)

داعی کو چاہیے کہ وہ مخاطب کی ذہنی کیفیت اور اسکے دین کو سمجھنے کی صلاحیت کو اور موقع محل کا خیال رکھتے ہوئے اسے اللہ تعالیٰ اور حبیب کبریا ﷺ کی اطاعت کی طرف بلائے اور اس سلسلے میں ایسے محکم دلائل دے جس سے حق واضح ہو جائے اور اگر اس کے ذہن میں کوئی شک وشبہ ہو تو وہ دور ہو جائے ۔آپ کو یہ بھی چاہیے کہ سوز وگداز ،خلوص اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ مؤثر انداز میں جذبات کو ابھاریں ،آپ دنیا کی بے ثباتی ،موت وآخرت کی فکر، جہنم کے عذاب اور جنت کی نعمتوں کے بارے میں اس طرح گفتگو کیجئے کہ مخاطب کے دل میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کا شوق اور آقا و مولیٰ ﷺ کی محبت و اطاعت کا جذبہ پیدا ہو جائے یہاں تک کہ وہ راہ حق ہی کو اپنی نجات کا ضامن سمجھنے لگ جائے آپ کا انداز گفتگو ایسا دلنشیں ہو کہ مخاطب آپ کے لہجے اور لفظوں میں وہ تڑپ محسوس کر سکے جو اس کی اصلاح کے لیے آپ کے دل میں موجزن ہے۔

اگر بالفرض مخاطب بحث پر آمادہ ہو تو حکم یہ ہے کہ آپ تخت کلامی اور طنزیہ گفتگو سے بالکل پرہیز کرتے ہوئے محض دین کی سر بلندی اور رضائے الٰہی کے لیے اس سے نرم لہجے اور شائستہ انداز میں بحث کیجئے تاکہ اسکے دل میں ضد، انا ،نفرت اور تعصب کے جذبات نہ ابھریں بلکہ سادہ جملوں میں مناسب عقلی

دلائل دیتے وقت آپ کے دل میں یہی تڑپ آرزو ہو کہ کاش یہ شخص اپنے رب کا مخلص بندہ اور آقا علیہ السلام ﷺ کا سچا غلام بن جائے، البتہ جب یہ ظاہر ہونے لگے کہ وہ محض ضد اور تعصب کے ساتھ بحث برائے بحث کرنا چاہتا ہے تو بحث فوری طور پر ختم کر دیں اور اسے اسکے حال پر چھوڑ دیں نیز اسکی ہدایت کے لیے دعا کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو''۔ (الاعراف:۱۹۹)

۷۔ نرمی اور شفقت:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کو نرم مزاج اور شفیق ہونا چاہیے دعوت و تربیت کے سلسلے میں نرمی اور آسانی کو اختیار کرنا اور سختی سے اجتناب کرنا کتنا ضروری ہے اس کا اندازہ اس بات سے کیجئے کہ آقا علیہ السلام نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی جانب بھیجا تو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، ''نرمی کرنا، سختی نہ کرنا، خوشخبری سنانا متنفر نہ کرنا، مل جل کر رہنا اور باہم اختلاف سے بچنا''۔ (بخاری، مسلم)

آقا و مولیٰ ﷺ ہمیشہ کشادہ رو، نرم مزاج رہتے تھے آپ بد اخلاق نہ تھے اور نہ ہی سخت دل، نہ چلانے والے، نہ بد گوئی کرنے والے۔ (شمائل ترمذی) ایک بار کسی اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا صحابہ کرام اسے مارنے کے لیے بڑھے تو آپ نے فرمایا، اسے چھوڑ دو اور پانی کا ڈول لا کر بہا دو کیونکہ تم نرمی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے نہیں۔ (بخاری)

آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے، ''نرمی اختیار کرو اور سختی اور بدگمانی سے بچو: جس چیز میں نرمی ہوتی ہے اسے اچھا کر دیتی ہے اور جس چیز سے یہ نکل جاتی ہے اسے عیب دار بنا دیتی ہے''۔ (مسلم) ایک اور روایت میں ہے، ''جو نرمی سے محروم

کیا گیا وہ بھلائی سے محروم کر دیا گیا''۔ (مسلم)

داعی کا کسی غافل گناہگار سے نفرت کرنا ایسے ہی ہے جیسے ڈاکٹر اپنے مریض سے نفرت کرے اس لیے داعی کو چاہیے کہ وہ مدعو کے گناہ سے نفرت کرے نہ کہ گناہگار سے۔ داعیان حق کو نہ صرف اپنے ساتھیوں کیساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کرنا چاہیے بلکہ گمراہوں کو بھی نرم لہجے اور ناصحانہ انداز میں راہ حق کی طرف بلانا چاہیے کیونکہ سختی اور شدت سے مخاطب کے دل میں ضد، انا اور عداوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور وہ آپ کی نہایت اچھی اور سچی باتوں کو بھی ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا تو یہی نصیحت فرمائی، ''تم اس سے نرم بات کہنا اس امید پر کہ وہ دھیان کرے یا کچھ ڈرے''۔ (طٰہٰ:۴۴، کنزالایمان)

یہ بات واضح ہے کہ نہ تو کوئی داعی کسی پیغمبر سے بہتر ہو سکتا ہے اور نہ ہی فرعون سے بڑھ کر کوئی مجرم ہو سکتا ہے اس کے باوجود جب ان جلیل القدر انبیاء کرام کو نرمی و مہربانی سے دعوت و نصیحت کی تاکید فرمائی گئی تو عام مبلغین کو عام نافرمانوں کے ساتھ ضرور نرمی کا سلوک کرنا چاہیے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ''قیامت کے دن مومن کے ترازو میں جو سب سے وزنی نیکی رکھی جائیگی وہ حسن اخلاق ہے اور اللہ تعالیٰ بد اخلاق اور بدگو سے ناراض ہے''۔ (ترمذی)

ایک اور روایت میں ہے کہ بارگاہ نبوی میں سوال کیا گیا، بدبختی کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ ''بد اخلاقی''۔ (مشکوٰۃ)

بعض لوگ نرمی سے غلط مفہوم مراد لیتے ہیں اور وہ باطل سے مصالحت اور بجا رواداری پر اتر آتے ہیں حالانکہ یہ فعل خلاف شرع ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی یک صفت قرآن نے یہ بتائی ہے کہ وہ ''کافروں پر سخت اور آپس میں نرم ہیں''۔ (الفتح

۲۹) تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ صحابہ کرام اس بات کا بھی لحاظ رکھتے تھے کہ انکا جسم کسی کافر سے نہ چھو جائے اور انکے کپڑے سے کسی کافر کا کپڑا نہ لگنے پائے۔

باطل سے مصالحت و دوستی اور بے جا رواداری سے ایمان برباد ہو جاتا ہے، غیب بتانے والے آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، بنی اسرائیل میں پہلا زوال اس طرح شروع ہوا کہ ایک شخص کسی سے ملتا اور اسے کوئی برائی کرتے دیکھتا تو کہتا، ''اللہ سے ڈر اور برائی نہ کر'' لیکن اس کے نہ ماننے کے باوجود اس سے اپنی دوستی اور تعلق کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے میں قائم رکھتا، جب عام طور پر لوگ ایسا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے نیک لوگوں کے دلوں کو بھی نافرمانوں جیسا کر دیا پھر حضور ﷺ نے قرآن کی آیات (المائدہ ۷۸ تا ۸۱) تلاوت فرمائیں (جنکا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر کافروں سے دوستی کی وجہ سے پیغمبروں نے لعنت فرمائی) اور بڑی تاکید سے یہ حکم دیا کہ نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو اور ظالم کو ظلم سے روکتے رہو اور اسے حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو۔ (ابوداؤد)

بنو امیہ کا گورنر مروان جب روضہ انور پر حاضر ہوا تو ایک شخص کو قبر انور سے چمٹا ہوا دیکھا، مروان نے اس کی گردن پکڑ کر کہا، اے شخص تجھے علم ہے تو کیا کر رہا ہے؟ یہ بزرگ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے فرمایا، ہاں میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں کیا کر رہا ہوں، اے مروان! میں مٹی اور پتھر کے پاس نہیں آیا بلکہ اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے دربار اقدس میں حاضر ہوں۔ اے مروان! جب متقی حاکم بنیں تو رونے کی ضرورت نہیں مگر جب نا اہل لوگ والی بنیں تو رونا چاہیے، یہ سن کر مروان خاموشی سے چلا گیا۔ (وفاء الوفا) سچ ہے کہ،

آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

خلاصہ یہ ہے کہ عام لوگوں کے ساتھ ایک حد تک نرمی کا برتاؤ ضروری ہے مگر مخصوص حالات میں مناسب سختی کرنا بھی حسن اخلاق کے منافی نہیں۔

۸۔ عفوو درگذر:

داعی کے اوصاف میں ایک اہم وصف یہ بھی ہے کہ وہ عفوو درگذر کا پیکر ہو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں کسی نے حسن اخلاق کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے سورہ الاعراف کی آیت ۱۹۹ تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو"۔ پھر آقا علیہ السلام نے فرمایا، "حسن اخلاق یہ ہے کہ تم قطع تعلق کرنے والوں سے صلہ رحمی کرو، جو تمہیں محروم کرے اسے عطا کرو اور جو ظلم کرے اسے معاف کردو"۔ (مکاشفۃ القلوب)

ارشاد باری تعالیٰ ہے، "تم ان سے چشم پوشی (یعنی درگذر) کرو اور انہیں سمجھا دو اور ان سے ایسی بات کہو جو ان کے دل پر اثر کر جائے"۔ (النساء: ۶۳)

آقا علیہ السلام کو یہ حکم منافقوں کے بارے میں دیا گیا تھا، اس سے اندازہ لگایئے کہ دعوت وتبلیغ میں مخالفین کی بدتمیزی کو بھی درگذر کرنا چاہیے تو مسلمان زیادہ حقدار ہیں کہ انہیں نرمی اور اخلاق سے سمجھایا جائے۔ اس لیے ارشاد ہوا،

"اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے"۔ (الذریٰت: ۵۵)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا، "اور چاہیے کہ معاف کردیں اور درگذر کریں"۔ (النور: ۲۲) رحمت عالم ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہیں لیا لیکن آپ جب اللہ تعالیٰ کی متعین فرمائی ہوئی حدود کی بے حرمتی یعنی شرعی احکام کی خلاف ورزی دیکھتے تو اللہ تعالیٰ کے لیے غصہ ہوتے اور اس کا بدلہ لیتے۔ (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار ایک اعرابی نے آقا علیہ السلام کی چادر مبارک پکڑ کر آپ کو نہایت زور سے کھینچا، میں نے دیکھا

کہ اس اعرابی کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے گردن مبارک پر چادر کے نشان پڑ گئے ہیں وہ بولا اے محمد ﷺ! اللہ کا جو مال آپ کے پاس ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ دیجیے۔ آقا ﷺ اس طرف دیکھ کر مسکرا دیے اور اسے کچھ مال دینے کا حکم فرمایا۔ (بخاری) قرآن حکیم میں مومنوں کو یہی تعلیم دی گئی ہے کہ "برائی کو بھلائی سے ٹال، جبھی وہ کہ تم میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا کہ گہرا دوست" (حٰم سجدہ:۳۴، کنزالایمان)

یہ ایک اہم اصول ہے جسے اپنانے سے داعی کا تزکیہ نفس بھی ہوتا رہتا ہے اور آخر کار مخالف مداح بن جاتا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ شیخ ابو عثمان حیری کے سر پر کسی نے چھت سے بہت سی خاک ڈال دی آپ نے وہ خاک جھاڑی اور خدا کا شکر ادا کیا، کسی نے پوچھا کہ آپ شکر کس بات کا ادا کر رہے ہیں؟ فرمایا جو آگ میں ڈالے جانے کا مستحق ہو اس پر صرف خاک ڈال دی جائے تو کیا یہ شکر کی بات نہیں؟ (کیمیائے سعادت) امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دوران گفتگو کسی نے کہہ دیا، خدا سے ڈرو! آپ کا چہرہ زرد پڑ گیا آپ نے سر جھکا لیا اور فرمایا، خدا تمہیں جزا دے، "جس وقت کسی کو علم پر ناز ہونے لگے اسوقت وہ محتاج ہوتا ہے کہ کوئی اسے خدا یاد دلا دے"۔ (مناقب الموفق)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے نزدیک یہ بڑے گناہوں میں سے ہے کہ جب کوئی کسی دوسرے کو نصیحت کرے اور کہے کہ تو اللہ سے ڈر۔ تو برائی کرنے والا جواب میں کہے، "تو خود کو سنبھال اور میری فکر چھوڑ"۔ (کیمیائے سعادت) ایسا کہنا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور ایسے وقت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی یہی سنت رہی ہے کہ وہ درگذر فرماتے ہیں۔ ایک طعنہ آمیز جملہ اکثر داعیان حق کو ملتا ہے جو کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا،

''بولے، اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں، ہاں جی تم ہی بڑے عقلمند نیک چلن ہو''۔ (ھود:۸۷، کنز الایمان)

کم نصیبی سے ہمارے معاشرے میں بھی یہ سوچ پائی جاتی ہے کہ ''کسی کو نماز پڑھنی ہو تو اپنے لیے پڑھے ہمیں نصیحت نہ کرے''۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی سے غافل لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو نماز پڑھے گا وہ نماز کی برکتوں سے دوسروں کو بھی نیکی کی تلقین کرے گا اور پھر ہمارے برے کاموں پر ضرور تنقید کرے گا اس لیے وہ پہلے نماز کا اور پھر عقلمند اور نیک ہونے کا طعنہ دیا کرتے ہیں داعی حق کے لیے یہ سب سے پہلی آزمائش ہوتی ہے پھر اس کے بعد اسکی ذات کو مزید طعنوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

ان حالات میں مناسب ردعمل یہی ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں سے الجھنے سے اعراض کیا جائے اور مومنوں کا طریقہ یہی ہے کہ وہ ایسے لوگوں سے درگذر کرتے ہوئے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ''اور رحمان کے وہ بندے کہ زمین پر آہستہ چلتے ہیں (تواضع و وقار کے ساتھ) اور جب جاہل ان سے باتیں کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام''۔ (الفرقان:۶۳)

۹۔ میانہ روی:

سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، ''دین آسان ہے جو شدت کا رویہ اپنائے گا وہ مغلوب ہو جائے گا اسلیے سیدھی اور میانہ روی کی راہ اپناؤ اور خوشخبری حاصل کرو''۔ (بخاری، مسلم) جب زندگی کے کسی ایک پہلو میں اعتدال سے تجاوز کیا جاتا ہے تو دوسرے پہلو ضرور متاثر ہوتے ہیں اور اس طرح بہت سے حقوق و فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی بھی ہو جاتی ہے یہ روش اسلامی روح کے

عین خلاف ہے جب آقا علیہ السلام کو یہ خبر دی گئی کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما عبادت میں ایسے محو رہتے ہیں کہ گھر والوں کے حقوق بھی ادا نہیں کرتے تو آپ نے ان سے فرمایا، ''ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، قیام بھی کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے''۔ (بخاری)

اس کا مفہوم ہرگز یہ نہیں کہ اہل خانہ کے حقوق ادا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کو فراموش کر دیا جائے یا مہمان گھر آئیں تو ان کی مہمان نوازی میں نماز چھوڑ دی جائے ۔کیونکہ حدیث شریف میں ہے، ''خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں''۔ (مشکوٰۃ) حاصل کلام یہ ہے کہ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی ادا کیے جائیں۔ایک اور موقع پر آقا علیہ السلام نے فرمایا، خدا کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں سوتا بھی ہوں، بیویوں سے نکاح بھی کرتا ہوں پس جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں''۔ (بخاری، مسلم)

لوگوں کو دعوت حق دیتے ہوئے بھی داعی کو اعتدال کی راہ اپنانی چاہیے یعنی نہ تو خوف و عذاب کا ذکر کیا جائے کہ سننے والے رحمت الٰہی سے مایوس ہو جائیں اور اپنی اصلاح کو محال سمجھنے لگیں اور نہ ہی رحمت و مغفرت کا اس انداز میں ذکر ہو کہ لوگ گناہ پر دلیر ہو جائیں اور خوف خدا سے عاری ہو کر غیر ذمہ دار بن جائیں۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، ''بہترین عالم وہ ہے جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں کرتا اور نہ اس کی نافرمانی کے لیے انہیں چھوٹ دیتا ہے اور نہ ہی انہیں عذاب الٰہی سے بے خوف بناتا ہے''۔

۱۰۔ تدریج:

دعوت وتربیت کے کام میں تدریج کا خیال رکھنا حکمت کا ایک اہم جزو ہے نزول قرآن کے حوالے سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ساری آیات بیک وقت نازل نہ فرمائیں بلکہ حسب ضرورت وحکمت انہیں بتدریج نازل فرمایا، اسی طرح داعی کو چاہیے کہ وہ نئے شخص کو تمام شرعی احکام ایک وقت میں نہ بتائے بلکہ پہلے صرف عقائد کی اصلاح کرے اور نماز کی تلقین کرے پھر دیگر فرائض وواجبات کو زیر بحث لائے۔

تدریج ایک فطری اور ضروری چیز ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قرآن عظیم میں شروع میں صرف وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام میں داخل ہو گئے تو حرام اور حلال کی آیات نازل ہوئیں، اگر پہلے ہی مرحلے میں شراب اور زنا کی حرمت کے احکام نازل ہو جاتے تو لوگ پکار اٹھتے کہ ہم شراب اور زنا کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ (بخاری)

داعی اعظم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت فرمایا، تم یہود ونصاریٰ کو پہلے اس کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں، جب وہ یہ مان لیں تو انہیں بتانا کہ دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور جب وہ یہ بھی مان لیں تو پھر انہیں بتانا کہ ان پر زکوٰۃ بھی فرض ہے جو انکے امراء سے لیکر غرباء کو دی جائے گی۔ (بخاری)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ پہلے لوگوں کو عقیدہ توحید ورسالت کی تعلیم دی جائے پھر انہیں نماز کی دعوت دی جائے، جب وہ یہ مان لیں پھر انہیں زکوٰۃ سے آگاہ کیا جائے، یہ تدریج ہے۔ اب اگر کوئی داعی پہلے ہی دن مخاطب سے تمام فرائض وسنن ادا کرنے کا تقاضا کرے اور مکروہات سے بچنے کا

عہد لینا چاہے تو یہ بات کس طرح مناسب ہوگی؟ انسان، حیوانات اور نباتات سب کے سب تدریجی مراحل سے گزر کر ہی اپنے کمال کو پہنچتے ہیں اس طرح ابتدائی جماعتوں کا نصاب پڑھ کر ہی طالب علم کالج جانے کے لائق ہوتا ہے پس داعیان حق کو ان درمیانی مراحل کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

کسی بزرگ کے پاس ایک شخص بیعت ہونے آیا اور عرض کی میں افیون کھاتا ہوں اس شرط پر بیعت لوں گا کہ آپ مجھے افیون کھانے سے نہیں روکیں گے۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے مگر یہ وعدہ کرو جب افیون کھاؤ گے مجھے دکھا کر کھاؤ گے۔ وہ بیعت ہو گیا۔ پھر جب بھی وہ افیون کھانا چاہتا حاضر ہو جاتا، آپ اس میں سے ایک چٹکی افیون کم کر لیتے، بتدریج آپ افیون کی مقدار کم کرتے چلے گئے اور آخر کار اس نے افیون چھوڑ دی، یہ ہے حکمت۔

اس لیے بہتر یہ ہے کہ پہلے صرف ان نیکیوں کی تلقین کی جائے جو معروف اور عام فہم ہیں یعنی نماز کی طرف راغب کیا جائے پھر نماز کے مسائل سکھائے جائیں اور دینی عقائد سیکھنے کی اہمیت بیان کی جائے پھر ذہنی طور پر آمادہ کر کے مزید تعلیم دی جائے یعنی بتدریج فرائض و واجبات کی طرف راغب کیا جائے اور اسی طرح ایک ایک کر کے برائیوں کو دور کیا جائے۔

۱۱۔ صبر و استقلال:

داعیان حق کا سب سے اہم وصف صبر و استقامت ہے جسے سورۃ العصر میں نقصان سے بچنے کی ایک شرط قرار دیا گیا ہے۔ داعیان حق پر لازم ہے کہ راہ حق میں پیش آنے والی مشکلات اور تکالیف پر نہ صرف وہ خود صبر کے پیکر بن جائیں بلکہ داعیان حق کو بھی صبر کی وصیت کرتے رہیں اور انکے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہ آئے۔

راہ حق میں مصائب و مشکلات کا پیش آنا اور طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہونا ایک فطری عمل ہے کیونکہ جب حق کا کلمہ بلند کیا جاتا ہے تو باطل کو ضرور تکلیف ہوتی ہے اس لیے جب بھی نیکی کی دعوت دی جائے گی شیطانی قوتیں فوراً مخالفت پر کمر بستہ ہو جائیں گی ۔ انبیاء کرام علیہ السلام کو بھی راہ حق میں بیشمار اذیتیں دی گئیں، ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ''کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور تم پر ابھی وہ حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے لوگوں پر گزرے ہیں، پہنچی انہیں سختی اور مصیبت، اور وہ لرز اٹھے یہانتک کہ اٹھا رسول اور اسکے ساتھ کے ایمان والے، کب آئیگی اللہ کی مدد؟ سن لو بیشک اللہ کی مدد قریب ہے'' ۔ (البقرہ:۲۱۴)

تمام داعیان حق سے زیادہ مصائب و تکالیف آقا علیہ السلام نے برداشت کیں، آپکا ارشاد گرامی ہے، ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجھے اتنا ڈرایا اور دھمکایا گیا کہ اتنا کسی اور کو نہیں ڈرایا گیا اور جس قدر مجھ کو اذیتیں دی گئیں اتنی کسی اور کو اذیتیں نہ پہنچیں، ایک مرتبہ تیس رات مجھ پر اس حال میں گزرے کہ میرے اور بلال (رضی اللہ عنہ) کے پاس کھانے کے لیے کوئی چیز ایسی نہ تھی جسے کوئی جاندار نہ کھا سکے سوائے اسکے جو بلال کی بغل میں تھا'' ۔ (شمائل ترمذی)

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ضرور آزماتا ہے کیونکہ آزمائش کے مراحل سے گزر کر ہی ایمان میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے اور انکے ایمانی دعوے کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے، ارشاد ہوا، ''کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنی سی بات پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ کہیں ہم ایمان لائے، اور انکی آزمائش نہ ہو گی؟'' ۔ (العنکبوت:۲)
دوسری جگہ فرمایا، ''کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان نہ لیا اور صبر والوں کی آزمائش نہ کی'' ۔ (آل عمران:۱۴۲)
ایک اور جگہ ارشاد ہوا، ''اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور

کچھ جانوں اور مالوں اور پھلوں کی کمی سے''۔(البقرہ:۱۵۵)

خزائن العرفان میں ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا، خوف سے مراد اللہ کا ڈر، بھوک سے مراد رمضان کے روزے، مالوں کی کمی سے زکوٰۃ وصدقات دینا، جانوں کی کمی سے امراض کے ذریعے موتیں ہونا اور پھلوں کی کمی سے مراد اولاد کی موت ہے۔صدر الافاضل نے مومنوں کو قبل از وقت آزمائشوں کی خبر دینے میں حکمتیں یہ بیان فرمائی ہیں کہ اس سے آدمی کو مصیبت کے وقت صبر آسان ہو جاتا ہے اور یہ کہ جب کافر دیکھیں کہ مسلمان بلا و مصیبت کے وقت صابر وشاکر اور استقلال کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہتا ہے تو انہیں دین کی خوبی معلوم ہو اور اسکی طرف رغبت ہو۔ایک حکمت یہ کہ آنے والی مصیبت کی قبل وقوع اطلاع غیبی خبر اور نبی ﷺ کا معجزہ ہے اور ایک حکمت یہ بھی ہے، کہ آزمائشوں کی خبر سے منافقوں کے قدم اکھڑ جائیں اور مومن و منافق میں امتیاز ہو جائے۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کی استقامت:

صحابہ کرام علیہم الرضوان نے راہ حق میں سخت ترین تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کیں ہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو رات کو زنجیروں سے باندھ کر کوڑے مارے جاتے پھر اگلے دن تپتی ہوئی ریت پر سیدھا لٹا کر انکے سینے پر بڑے وزنی پتھر رکھ دیے جاتے تا کہ اذیت و تکلیف کی وجہ سے اسلام سے پھر جائیں یا تڑپ تڑپ کر جان دے دیں لیکن بلال رضی اللہ عنہ کا عشق تھا کہ ان آزمائشوں سے مزید نکھرتا رہا اور پھر ایک وقت آیا کہ آپ دربار رسالت کے مؤذن اور آقا علیہ السلام کے خادم خاص بن گئے۔حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ کو لوہے کی زنجیر پہنا کر دھوپ میں لٹا دیا جاتا اور کبھی پشت کے بل گرم

ریت پر لٹا دیا جاتا جس سے جسم کا گوشت گل جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے دورِ خلافت میں آپ سے ان تکالیف کے بارے میں پوچھا تو آپ نے قمیض ہٹا کر پشت سامنے کر دی، دیکھا کہ برائے نام گوشت باقی ہے۔ پوچھنے پر عرض کی، مجھے آگ کے انگاروں پر گھسیٹا گیا یہاں تک کہ میری پشت کی چربی اور خون سے وہ آگ بجھی۔ (اسد الغابہ)

آپ ہی سے روایت ہے کہ ہم نے نبی کریم کی خدمت میں عرض کی، آپ ہمارے لیے مدد کی دعا کیوں نہیں فرماتے؟ ارشاد فرمایا، "تم سے پہلے ایسے ایمان والے گزرے ہیں کہ ان میں سے بعض کو گڑھا کھود کر اس میں دبا دیا جاتا پھر ایک آرا لا کر ان کے سروں پر چلایا جاتا اور انکے دو ٹکڑے کر دیے جاتے، بعض کے جسم پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں جو گوشت سے گزر کر ہڈیوں تک پہنچ جاتیں لیکن ان تمام اذیتوں کے باوجود دین حق سے روگردانی نہ کرتے۔ خدا کی قسم! دین اسلام غالب ہو کر رہے گا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء (یمن) سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو گا لیکن تم جلد بازی کر رہے ہو۔ (بخاری)

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا خوف خدا تو دیکھیے کہ جب مسلمانوں کو پے در پے فتوحات حاصل ہونے لگیں تو آپ رویا کرتے کہ کہیں ہماری تکالیف کا بدلہ دنیا ہی میں تو نہیں مل رہا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور انکے والدین کو بھی اسلام کی وجہ سے سخت تکلیفیں پہنچائی گئیں آپ کی والدہ کی شرمگاہ میں ابو جہل مردود نے نیزہ مار کر انہیں شہید کر دیا یہ اسلام میں پہلی شہادت تھی۔

اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت اور اطاعت کا دعویٰ تو آسان ہے مگر ثابت کرنا اور پھر آسانی اور مصیبت یعنی ہر حالت میں اس پر قائم رہنا بہت مشکل

ہے۔ سچی محبت تو وہی ہے جو شدید مصیبت اور پریشانی میں بھی قائم رہے۔ سیدنا حمزہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے قبول اسلام سے پہلے کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت اصرار کر کے سرکار دوعالم ﷺ کو خانہ کعبہ لے گئے اور وہاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کا پہلا خطبہ دیا، خطبہ سنتے ہی کفار حملہ آور ہو گئے اور آپکو مار مار کر لہولہان کر دیا آپکا تمام چہرہ اقدس خون سے بھر گیا اور آپ بیہوش ہو گئے شام کو ہوش آیا تو زبان پر پہلا جملہ یہ تھا، کیا آقا علیہ السلام خیریت سے ہیں والدہ کچھ کھلانا چاہتی تھیں لیکن آپ نے قسم کھائی کہ میں کچھ نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک اپنے آقا علیہ السلام کو دیکھ نہ لوں گا۔ پھر جب رات گئے دار ارقم جا کر آپ نے حضور ﷺ کی زیارت کی تو سکون ملا۔ عشق ہو تو ایسا ہو، اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت فاضل بریلوی قدس سرہ نے خوب فرمایا،

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جسکو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

باب سوم

دعوت و تنظیم:

جب تنظیم کی بات کی جاتی ہے تو فوراً ہی نظم وضبط اور اصول وضوابط کا تصور ذہن میں آجاتا ہے ایک مضبوط تنظیم اسی وقت قائم ہوتی ہے جب اہل حق ایمان کے جذبے سے سرشار ہو کر محبت و ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے محض رضائے الٰہی اور دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سربلندی کے لیے اپنے قلوب واذہان کا اتحاد کر لیتے ہیں۔

اشاد باری تعالیٰ ہے۔"اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر مسلمان، اور اللہ کی رسی کو مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا (یعنی جدا نہ ہو جانا)، اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں (عداوت اور) بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے، اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں بچالیا، اللہ تم سے یونہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ"۔ (آل عمران:۳:۱۰۲،۱۰۳، کنزالایمان)

تفسیر خزائن العرفان میں ہے کہ مسلم شریف میں وارد ہوا کہ قرآن پاک حبل اللہ (یعنی اللہ کی رسی) جس نے اس کا اتباع کیا وہ ہدایت پر ہے جس نے اس کو چھوڑا وہ گمراہی پر۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حبل اللہ سے جماعت مراد ہے اور فرمایا، تم جماعت کو لازم کرلو کہ وہ حبل اللہ ہے جس کو مضبوط

تھامنے کا حکم دیا گیا ہے"۔ سورۃ الانفال کی آیت ۶۳ میں ارشاد ہوا، "اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب خرچ کر دیتے ان کے دل نہ ملا سکتے لیکن اللہ نے انکے دل ملا دیئے"۔

گویا مومنوں کا باہمی تعلق اخوت و محبت کا تعلق ہے اسی لیے سورۃ الحجرات میں مومنوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا گیا ہے جبکہ کافروں کے باہمی تعلق کے بارے میں ارشاد ہوا، "اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا"۔ (الانفال ۷۳، کنز الایمان) اس کی تفسیر میں ہے کہ "اگر مسلمانوں میں باہمی تعاون و تناصر نہ ہو اور وہ ایک دوسرے کے مددگار ہو کر ایک قوت نہ بن جائیں تو کفار قوی ہونگے اور مسلمان ضعیف، اور یہ بڑا فتنہ و فساد ہے"۔ (خزائن العرفان)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ دعوت کا کام انفرادی طور پر بھی کیا جا سکتا ہے مگر اجتماعی طور پر نظم و ضبط کے ساتھ اس کام کو کرنے میں کئی حکمتیں ہیں نیز دعوت و تبلیغ کے لیے اتحاد و تنظیم کی بنیاد ایمان ہے اور اس بنیاد پر تنظیم کی مضبوط عمارت اسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب ایمان والے ایمان کی لذت کو محسوس کرنے لگیں۔ غیب بتانے والے آقا ﷺ کا فرمان ہے، "جس میں تین اوصاف ہونگے وہ ایمان کی لذت پائے گا، اول یہ کہ اس کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی محبت تمام ماسوا سے زیادہ ہو، دوم یہ کہ جس سے بھی اسے محبت ہو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو، ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف پلٹنے سے اسے ایسی نفرت ہو جیسی آگ میں ڈالے جانے سے ہوتی ہے"۔ (بخاری، مسلم)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ جب مومن کے دل میں دنیا کی ہر شے سے زیادہ اللہ عزوجل اور اس کے حبیب ﷺ کی محبت ہوگی تو وہ ہر کام کرنے سے پہلے انکی رضا کے بارے میں ضرور سوچے گا کہ آیا یہ کام کرنے سے

وہ ناراض تو نہ ہو جائیں گے اس طرح وہ یکی محبت کے باعث نہ صرف اللہ عزوجل اور آقا و مولیٰ علیہ السلام کی نافرمانی سے محفوظ رہے گا بلکہ اسلام کا سپاہی بن کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے اپنی ذمہ داری پوری دیانت سے ادا کرنے کے لیے کوشاں رہے گا۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''اور انکے ساتھ والے کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل، تو انہیں دیکھے گا رکوع کرتے سجدہ میں گرتے، اللہ کا فضل و رضا چاہتے''۔(الفتح:۲۹، کنز الایمان) جب مومنوں کے نظریات واوصاف باہم مشترک ہیں اور وہ ہر باطل سے تعلق توڑ کر صرف ایک اللہ عزوجل کی بندگی اور ایک رسول ﷺ کی غلامی کو اپنا شعار بنالیتے ہیں تو ایک دوسرے سے تعاون، محبت اور اخوت کا رشتہ قائم ہونے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی اس طرح ایک مضبوط تنظیم وجود میں آتی ہے بشرطیکہ ایمان والے ایک دوسرے سے ذاتی و دنیاوی مفادات کا تعلق نہ رکھیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہی محبت و اخوت کا تعلق قائم رکھیں۔

تیسرا وصف جو مذکورہ حدیث پاک میں بیان ہوا ہے اس کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب سب مومن، کفر سے اور گمراہی سے نفرت کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ مشترکہ دشمن کے مقابلے کے لیے ایک دوسرے کا سہارا بننے پر اور باہم اتحاد پر آمادہ نہیں ہوتے؟ حکم الٰہی ہے، ''اور نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے''۔(المائدہ:۲، کنز الایمان)

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

ذیل میں بعض اوصاف بیان کیے جارہے ہیں جن کا پایا جانا کسی تنظیم کی بقا اور اس کے نظم وضبط کے درجہ کمال پر ہونے کی ضمانت ہوتا ہے کاغذوں میں تنظیم تشکیل دینا بے حد آسان کام ہے مگر استقلال واستقامت کے ساتھ تمام مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے منزل کی سمت بڑھتے چلے جانا تنظیم کا اصل مقصود ہوتا ہے۔ بقول اقبال،

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پُر دَم ہے اگر تو، تو نہیں خطرہء افتاد

ا۔ اطاعت امیر:

تنظیم کے کارکنوں میں نظم وضبط قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک شخص کو وہ اپنا امیر بنالیں اور سب اسکی اطاعت کریں جیسا کہ مسلمان پانچ وقت ایک امام کی اقتدا میں نماز ادا کرتے ہیں۔ آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، ”اگر تین شخص سفر میں ہوں تو انہیں چاہیے کہ ایک کو اپنا امیر بنالیں“۔ (ابوداؤد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث پاک میں اس امیر کو قوم کا خادم فرمایا ہے یعنی لوگوں کو چاہیے کہ امیر کی اطاعت کریں اور امیر کو چاہیے کہ اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھنے کی بجائے انکا خادم تصور کرے اور انکی خیر خواہی کے کام کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد داعیان حق کے لیے مشعل راہ ہونا چاہیے، خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے وقت آپ نے فرمایا، اللہ سے ڈرو مجھ سے درگذر کر کے میرا ساتھ دو، امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں میری مدد کرو اور تمہاری جو خدمات اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہیں انکے متعلق مجھے نصیحت کرو“۔

امیر کی اطاعت اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”اگر تم پر کوئی ناقص الاعضاء غلام بھی حاکم بنادیا جائے جو تم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب

کے مطابق چلائے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو"۔(مسلم) تنظیم کا امیر اسے منتخب کیا جائے جو پرہیزگاری اور علم و دانائی میں سب سے زیادہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، "بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے"۔(الحجرات:۱۳)

جب تک کسی تنظیم کے کارکن اپنے امیر کی اطاعت خلوص دل کے ساتھ نہیں کریں گے وہ تنظیم نظم و ضبط کے فقدان اور انتشار کا شکار رہے گی۔ مومنوں کو تنظیم کے ڈسپلن کی پابندی دینی فریضہ سمجھ کر کرنی چاہیے، قرآن کریم میں ارشاد ہوا، "ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور جب رسول ﷺ کے پاس کسی کام کے لیے حاضر ہوئے جس کے لیے جمع کیے گئے ہوں تو نہ جائیں جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں، وہ جو تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول پر ایمان لاتے ہیں"۔(النور ۶۲، کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے ایمان کی گواہی دی گئی ہے جو نظم و ضبط کے پابند ہوں اور کسی ڈیوٹی سے اس وقت ہٹیں جب اپنے امیر سے اجازت حاصل کرلیں۔

آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے، "مسلمانوں کو اپنے امیر کی بات سننی اور ماننی ضروری ہے چاہے وہ حکم انکی طبیعت کے لیے خوشگوار ہو یا ناپسندیدہ، بشرطیکہ وہ خدا کی نافرمانی کی بات نہ ہو، ہاں جب نافرمانی کا حکم دیا جائے تو وہ بات نہ سننی چاہیے اور نہ ماننی چاہیے"۔(بخاری، مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آقا و مولیٰ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی کہ ہم ہر بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے خواہ خوشی ہو یا غمی، اور حاکم سے حکومت کے لیے نہیں لڑیں گے اور حق پر قائم رہیں گے یا حق بات کہیں گے خواہ ہم کسی جگہ بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی

ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے"۔ (بخاری)

اطاعت امیر کی ایک مثال یہ ہے کہ امام کی غلطی پر مقتدی بھی سجدہ سہو کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر کی اطاعت شرعی امور میں لازم ہے خواہ اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا، لوگو! بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس وقت مسجد کے دروازے پر تھے وہیں بیٹھ گئے۔ (ابوداؤد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف بھیجا تو میں بھی انکے ساتھ تھا جب ہم دریا کے کنارے پہنچے تو انہوں نے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر پانی میں اتر جاؤ، ہم نے انکی اطاعت کی تو دریا یوں عبور کیا کہ اونٹوں کے تلوے بھی پانی سے تر نہ ہوئے۔ اسی طرح مدائن کی طرف لشکر کشی کے دن مسلمانوں نے اپنے امیر سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل میں اپنے گھوڑے دریائے دجلہ میں ڈال دیے اور اسے با آسانی عبور کرلیا۔ (دلائل النبوۃ) یہ سب امیر پر غیر متزلزل اعتقاد کا ثبوت ہے اور اسی میں برکت ہے۔

۲۔ رضائے الٰہی:

داعی کے پیش نظر ہر کام میں رضائے الٰہی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ داعی نہ تو کسی عہدے کا طالب ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے کام کو صحیح کہنے پر مصر رہتا ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام سے ایک بھول ہوئی لیکن انہوں نے تواضع و انکساری کا عالیشان مظاہرہ فرمایا اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی بھول کو ظلم قرار دیتے ہوئے دعا فرمائی جبکہ ابلیس نے رب تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا اور پھر بھونڈی تاویلوں کے ذریعے اپنی غلطی کو صحیح ثابت کرنے کی بیہودہ کوشش کی۔ اس معروف

واقعہ کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ بھول یا غلطی ہو جانے کی صورت میں فوراً اصلاح کر لینا اور دعائے مغفرت کرنا محبوبان خدا کا طریقہ ہے جبکہ بڑے بڑے جرم کر کے بھی لغو تاویلات کے ذریعے انہیں صحیح ثابت کرنے کی احمقانہ کوشش کرنا ابلیس لعین کا طریقہ ہے ایک مثالی کارکن وہی ہوتا ہے جو اپنی کسی غلطی کو انا کا مسئلہ نہ بنائے بلکہ رضائے الٰہی کی خاطر ہر لمحہ وہ اپنی اصلاح کے لیے تیار رہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب مہر کی رقم زیادہ کرنے پر تنبیہ فرمائی تو ایک صحابیہ نے کہا، آپ کو یہ اختیار کس نے دیا جب کہ حضور علیہ السلام نے اس پر قدغن نہ لگائی۔ آپ نے فرمایا، اس عورت نے صحیح بات کہی اور بیشک مرد نے خطا کی۔ آپ اس تنقید پر بالکل ناراض نہ ہوئے کیونکہ رضائے الٰہی مقصود تھی۔ اسی طرح خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر میں سیدھے راستے پر چلوں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں اس سے ہٹ کر کوئی کام کروں تو تم کیا کرو گے؟ ایک صحابی نے کہا، ہم آپ کو سیدھا کر دیں گے جیسا تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جو امیر کو بھی خلاف شرع بات پر ٹوک سکتے ہیں۔ اسلامی تنظیم کے امیر و دیگر عہدیداران میں بھی ایسا ہی جذبہ اور حوصلہ ہونا چاہیے۔

بعض اوقات کسی حکمت کے تحت جونیئر کارکنوں کو کوئی اہم ذمہ داری دی جاتی ہے اس پر سینئر ساتھیوں کو برا نہیں ماننا چاہیے۔ آقا و مولیٰ علیہ السلام نے بسا اوقات کم تجربہ کار صحابہ کرام کو ذمہ داریاں دیں اس پر اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اعتراض نہ کیا بلکہ ان کے شانہ بشانہ ساتھ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عین جنگ کے موقع پر عظیم جرنیل حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کو اسلامی فوج کی سپہ سالاری کے اعلیٰ عہدے سے معزول کر دیا، وہ نہ تو ناراض

ہوئے اور نہ اسے انا کا مسئلہ بنایا اور نہ ہی کوئی بہانہ کر کے گھر بیٹھے بلکہ ایک سپاہی کی حیثیت سے جنگیں لڑتے رہے۔

یہ ان حضرات کے لیے درخشاں مثال ہے جو کسی تنظیمی عہدے کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں اور اگر وہ عہدہ انکی کی بجائے کسی اور کو دے دیا جائے تو وہ یا تو ناراض ہو کر گھر بیٹھ جائیں گے اور یا پھر اپنے ہم خیال لوگوں پر مشتمل ایک علیحدہ گروپ قائم کرلیں گے تاکہ ان کی نمایاں حیثیت برقرار رہے۔ یہ منفی طرز عمل ہے جبکہ اسلامی فکر یہ ہے کہ ہمارے پیش نظر عہدے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی رضا ہونی چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہما کو خواب میں اذان کے کلمات سکھائے گئے، آقا و مولیٰ ﷺ نے ان کے خواب کی تصدیق فرمائی اور ارشاد فرمایا، ''تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور جو کلمات تم نے خواب میں سیکھے ہیں وہ انہیں بتاتے جاؤ تاکہ وہ اذان دیں کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز والے ہیں''۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ) حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہما یہ سوچ سکتے تھے کہ چونکہ اذان کی بشارت مجھے ہوئی ہے اس لیے اذان کا حق صرف میرا ہے مگر انہوں نے اس لیے اس محرومی کو قبول کیا کہ اذان کا مقصد اعلان ہے اور بلال رضی اللہ عنہ اونچی آواز والے ہیں۔ گویا کسی تنظیم کی کامیابی کا راز یہی ہے کہ کم اہلیت والے لوگ اپنے سے زیادہ اہلیت والے لوگوں کے حق میں رضائے الٰہی کے لیے اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں۔

اگر تنظیم کے کارکنوں کے ذہنوں میں رضائے الٰہی کا جذبہ راسخ ہو جائے اور ان کی نیتوں میں اخلاص غالب آ جائے تو پھر کارکنوں اور عہدیداران کے مابین کسی بھی اختلاف کی صورت میں ناراضگی یا علیحدگی کا تصور ختم ہو جائیگا اور کسی

سے ناراضگی کی صورت میں گروپ بندی کرنے کے بجائے کارکن صلح وصفائی کو ترجیح دیں گے نیز کسی ساتھی کی تنقید برداشت کرنے میں بھی کوئی مشکل پیش نہ آئے گی۔

۳۔اخوت ومحبت:

تنظیم سے وابستہ افراد کا باہمی تعلق اخوت ومحبت کا مظہر ہونا چاہیے۔ رحیم وکریم آقا علیہ کا ارشاد ہے۔ ''تم اس وقت تک مومن نہ ہوگے جب تک آپس میں محبت نہ رکھو گے''۔(مسلم)مومن کی دوسرے ایمان والوں سے محبت صرف اللہ عزوجل کے لیے ہوتی ہے۔حدیث پاک میں اسے تکمیل ایمان کی شرط قرار دیا گیا ہے۔ارشاد گرامی ہے'' جوکوئی اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرے او اللہ تعالیٰ کے دشمنی کرے، اللہ تعالیٰ ہی کے لیے دے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے روکے اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا''۔(ابوداؤد)

یہ امر حقیقت ہے کہ انسان کے دوست اور دشمن اس کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اسی لیے ایمان کی تکمیل کے لیے دوستی اور دشمنی کی بنیاد رضائے الٰہی پر رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔نبی کریم علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، ایمان کی کون سی کڑی سب سے زیادہ مضبوط ہے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں دوستی اور اسی کی راہ میں محبت وعداوت۔(بیہقی)

ایک حدیث میں ارشاد ہوا، ''انسان اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے پس ہر کوئی یہ دیکھ لے کہ وہ کس سے محبت کرتا ہے''۔(ترمذی) ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا، ''اچھے اور برے دوست کی مثال عطر اور بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے۔عطر والا تمہیں کچھ ہدیہ دے گا یا تم اس سے عطر خریدو گے یا اس کے پاس سے عطر کی خوشبو سونگھو گے جبکہ بھٹی والا تمہارے کپڑے جلا دے گا یا تم

اس سے دھواں اور بد بو پاؤ گے"۔ (بخاری، مسلم)

ہر کسی کے کچھ نہ کچھ دوست ہوتے ہیں، اسلامی تنظیم کا مثالی رکن وہی ہوتا ہے جو رضائے الٰہی کے لیے اپنے احباب سے محبت اور دوستی رکھتا ہے حضور ﷺ کا فرمان یہ کہ "مومن سراپا محبت والفت ہوتا ہے اس شخص کے لیے کوئی خیر و خوبی نہیں جو نہ دوسروں سے محبت کرے اور نہ دوسرے اس سے محبت کریں"۔ (بیہقی) آقا و مولیٰ ﷺ اپنے ساتھیوں سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان میں سے ہر کوئی یہ محسوس کرتا کہ آپ سب سے زیادہ اس کو چاہتے ہیں۔

آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ جس شخص کی بہتری چاہتا ہے اس کو نیک دوست عطا فرماتا ہے کہ اگر یہ یاد الٰہی سے غافل ہو تو یاد دلا دے اور اگر یہ یاد کرنے والا ہو تو وہ اس کی مزید مدد کرے"۔ (احیاء العلوم) اسی لیے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ہمارے دوست ہمیں ہمارے بیوی بچوں سے زیادہ عزیز ہیں کیونکہ یہ ہمیں دین کی یاد دلاتے ہیں اور بیوی بچوں کے سبب ہم دنیا میں مبتلا ہو جاتے ہیں"۔ (کیمیائے سعادت)

آپ تنظیم کے کارکنوں کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ اور آقا و مولیٰ ﷺ کے لیے محبت کیجئے، آپ اللہ عزوجل اور آقا و مولیٰ ﷺ کے محبوب بن جائیں گے، رب تعالیٰ کا ارشاد ہے، "میری محبت ان لوگوں کے لیے لازم ہوگئی جو میرے لیے محبت کرتے ہیں اور میرے لیے ساتھ مل کر بیٹھتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور میرے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ) اگر ایک غلام کو اپنے آقا ﷺ کی محبت نصیب ہو جائے تو اس کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت رکھنے والوں کو قیامت کے دن رحمت الٰہی کا سایہ بھی نصیب ہوگا۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، "رب تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا،
"کہاں ہیں میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت رکھنے والے! آج میں انہیں
اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دوں گا جبکہ اس کے سوا اور کوئی سایہ نہیں"۔ (مسلم) ایک
اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ انکے چہرے نور ہونگے اور وہ نور کے منبر پر
ہونگے، جب لوگ ڈریں گے یہ نہ ڈریں گے اور جب لوگ غمگین ہونگے تو یہ
غمگین نہ ہونگے پھر ایک آیت تلاوت فرمائی، (جسکا ترجمہ یہ ہے) "خبردار رہو!
بیشک اللہ تعالیٰ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم"۔ (ابوداؤد)

امام غزالی نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ کا یہ قول تحریر فرمایا ہے کہ جب
اللہ تعالیٰ کی راہ میں محبت کرنے والے ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو دیکھ کر
خوش ہوتے ہیں تو انکے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے خزاں میں درخت کے
پتے سوکھ کر گر جاتے ہیں"۔ (احیاء العلوم)

۴۔ ایثار قربانی:

جب تنظیم سے وابستہ فرد کسی دوسرے کو اپنی ذات پر ترجیح دے کر اپنی
ضرورت کی چیز اسے دے دیتا ہے تو یہ جذبہ ایثار کہلاتا ہے۔ کسی تنظیم کے کارکنوں
میں اس وصف کا پایا جانا انکے کمال ایمان کی دلیل ہے۔ مدینہ طیبہ میں ہجرت
کے بعد انصار نے اپنی مالی تنگی کے باوجود دل کھول کر مہاجر بھائیوں کی مدد کی،
انہیں اپنی زمینوں اور باغوں میں حصہ دار بنادیا، تاریخ میں ایسے ایثار کی کوئی مثال
نہیں ملتی۔

قرآن کریم نے انکے اس جذبے کی تعریف فرمائی ہے، ارشاد ہوا،
"اپنی جانوں پر انکو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان کو شدید محتاجی ہو"۔ (الحشر: ۹) اس کی
تفسیر میں یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک صحابی کسی مہمان کو اپنے گھر لے گئے،

کھانا بہت کم ہونے کی وجہ سے ان کی اہلیہ نے بچوں کو بھوکا سلادیا پھر چراغ کو درست کرنے کے بہانے بجھادیا اور پھر وہ اندھیرے میں یہ ظاہر کرتے رہے کہ وہ کھانا کھارہے ہیں اس طرح مہمان نے کھانا کھالیا اللہ نے انکے ایثار کی تعریف فرمائی۔ (خزائن العرفان)

صحابہ کرام میں سے کسی نے اپنے دوست کے گھر بقرے کی سری بھیجی انہوں نے یہ سوچ کر کہ فلاں حاجت مند ہے اس کے گھر بھیج دی یہاں تک کہ وہ مختلف گھروں سے ہوتی ہوئی اسی صحابی کے گھر پہنچ گئی (رضی اللہ عنہم)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دینی دوست پر بیس درہم فقراء پر سو درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے۔ یعنی دوستوں کے کچھ حقوق ہوتے ہیں جن میں سے سب سے اہم ایثار ہے اپنے ساتھی کو بہتر چیز دینا بھی ایثار ہے۔

حضور ﷺ نے ایک بار جنگل سے دو مسواکیں کاٹیں جن میں سے ایک سیدھی تھی اور ایک ٹیڑی۔ آپ نے سیدھی مسواک اپنے ساتھی اصحابی کو عطا فرمائی۔ انہوں نے عرض کی، آپ سیدھی مسواک اپنے لیے رکھ لیجئے۔ فرمایا، جو شخص کسی سے ایک پل بھی صحبت و رفاقت رکھتا ہے قیامت کے دن اس سے سوال ہوگا کہ صحبت کا حق ادا کیا یا نہیں؟ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے صحبت کے حق سے ایثار مراد لیا ہے۔ (کیمیائے سعادت)

رضائے الٰہی اور دین کی سربلندی کے لیے آپ کو باہم ایثار کرنا چاہیے اور قربانی دینی چاہیے خواہ مال کی ہو یا وقت کی، کیونکہ کوئی تنظیم بھی ان دونوں قربانیوں کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتی۔ قرآن حکیم نے مومنوں کی یہ صفت بار بار بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۴۵ میں ارشاد ہوا: ”ہے کوئی جو اللہ

تعالیٰ کو قرض حسن دے تو اللہ اس کے لیے بہت گنا بڑھا دے''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنی راہ میں خرچ کرنے والے کے لیے رزق میں وسعت کا وعدہ فرمایا ہے۔ آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ''اے ابن آدم تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھے عطا کروں گا''۔ (بخاری، مسلم)

ایک حدیث پاک میں یہ بھی بیان فرمایا گیا، ''بندہ کہتا ہے، میرا مال میرا مال حالانکہ اس کے مال صرف تین ہیں جو کھا کر ختم کردے یا جو پہن کر جلا دے یا وہ جو خدا کی راہ میں خرچ کرے اور آخرت کے لیے جمع کر لے، جو مال انکے علاوہ ہے وہ بندہ دنیا سے چلا جائے اور اسے لوگوں کے لیے چھوڑ جائے گا''۔ (مسلم) اب آپ یہ فیصلہ کر لیجئے کہ ہر ماہ پابندی سے ایک معقول رقم راہ خدا میں خرچ کے لیے اپنی تنظیم میں جمع کرائیں گے اور دوسروں کو بھی راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دیں گے۔

مال اور وقت سب کے لیے اہم ہوتا ہے اور قیمتی بھی اور راہ حق میں ان دونوں کی قربانی درکار ہوتی ہے اس لیے ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ''ہرگز بھلائی تک نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو اور جو کچھ تم خرچ کرو اللہ کو معلوم ہے''۔ (آل عمران ۹۲، کنز الایمان) راہ خدا میں وقت کی قربانی کی فضیلت آقا و مولیٰ نے یوں بیان فرمائی ہے ارشاد ہوا، ''اللہ تعالیٰ کی راہ میں کچھ دیر صبح یا شام کو نکلنا، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ان سب سے افضل ہے''۔ (بخاری)

دعوت حق کے کارکنوں کو صرف زباں ہی سے نہیں بلکہ جان و مال اور وقت کے مسلسل ایثار سے ثابت کرنا ہے کہ وہ ایسی منافقت سے نفرت کرتے ہیں جس میں انسان صبح سے شام تک اپنے دنیاوی معاملات میں خرچ کرتا رہے تو اسے کوئی پریشانی نہیں ہوتی لیکن جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا موقع

آتا ہے تو وہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ غریب ہے، مہنگائی کی وجہ سے اس کے گھر کا خرچہ پورا نہیں ہوتا، اسی طرح بیکار گھومنے پھرنے، دوستوں کے ساتھ گپ شپ کرنے اور ٹی وی دیکھنے کے لیے انسان کے پاس وقت کی کمی نہ ہو مگر نماز پڑھنے، دین سیکھنے کے لیے اور اسلامی کتب پڑھنے اور سننے کے لیے وہ یہ غلط عذر پیش کرے کہ وقت بالکل نہیں ملتا آج کل بہت مصروفیت ہے۔

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سائے تلے
حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سائے تلے

۵۔ خیر خواہی:

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، دین سراسر خیر خواہی ہے۔ ہم نے عرض کی، کس کی خیر خواہی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی، اس کے رسول ﷺ کی، مسلمانوں کے ذمہ داروں کی اور عام انسانوں کی۔ (مسلم) خیر خواہی کا ایک مفہوم مخلصانہ وفاداری کرنا بھی ہے اور ایک مفہوم بھلائی چاہنا بھی۔ تنظیمی کارکنوں کو چاہیے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی خیر خواہی کریں اور سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ وہ انکی دنیاوی اور آخرت کی بھلائی کے لیے کوشاں رہیں۔

خیر خواہی کا معیار حدیث شریف میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرو وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرو کیونکہ کوئی بھی اپنا برا نہیں چاہتا، آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے، ''تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے''۔ (بخاری، مسلم) خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اگر کسی دینی ساتھی کو مالی مدد کی ضرورت ہو یا کوئی اور حاجت ہو تو اس کا مسئلہ حل کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ فرمان نبوی ہے، ''اللہ اپنے بندے کی مدد اس وقت تک کرتا رہتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے''۔ (ترمذی)

ایک اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا، ''کسی مسلمان کی حاجت پوری کرنے کا اجر وثواب دس سال کے اعتقاف سے بھی زیادہ ہے''۔ (طبرانی)

آقا علیہ السلام کا ایک اور ارشاد گرامی ہے، ''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے، اور جو اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرمائے گا اور جو مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا''۔ (بخاری، مسلم)

اگر کسی دینی ساتھی کی غیبت وعیب جوئی کی جارہی ہو تو اسے روک دینا بھی خیر خواہی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا، جو کسی بھائی کی غیر موجودگی میں اس کی برائی نہ ہونے دے (یا اسکا جواب دے) تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے کہ اسے دوزخ کی آگ سے آزاد کردے''۔ (بیہقی) ایک اور حدیث پاک میں ارشاد ہے، ''جس کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور وہ اسے روکنے پر قدرت رکھتا ہو پھر وہ اپنے بھائی کی مدد کرے (غیبت نہ ہونے دے) تو اللہ تعالیٰ دنیا وآخرت میں اس کی مدد فرمائے گا لیکن اگر قدرت کے باوجود وہ اسکی مدد نہ کرے تو اس جرم پر اللہ تعالیٰ اسے دنیا وآخرت میں پکڑ لے گا''۔ (مشکوۃ)

مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی کے بارے میں نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام کو خاص طور پر نصیحت کیا کرتے تھے، آپ کا فرمان ذیشان ہے، مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں، جب اس سے ملو تو سلام کرو، جب وہ دعوت دے قبول کرو، جب تم سے خیر خواہی چاہے تو خیر خواہی کرو، جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو جواب دو، جب بیمار ہو تو عیادت کرو اور جب اس کا انتقال ہو تو جنازے میں جاؤ''۔ (مسلم) آقا علیہ السلام کا یہ ارشاد مبارک بھی اپنا راہنما بنائیے۔ ارشاد ہوا جس نے میرے کسی امتی کی (جائز) حاجت پوری کی اس کی خوشی کے لیے تو

اس نے مجھے خوش کیا، اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا"۔ (مشکوٰۃ)

۶۔ باہمی تعلقات:

تنظیم سے وابستہ افراد کو ایک جسم کی مثل ہونا چاہیے کارکنوں کے باہمی تعلقات کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے رحمت عالم ﷺ کے اس فرمان عالیشان کو پیش نظر رکھیے ۔ارشاد ہوا، "تم مومنوں کی رحمدلی، باہم محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس میں ایک جسم کی طرح پاؤ گے کہ جب ایک عضو بیمار ہو جائے تو سارے جسم کے اعضاء بے خوابی اور بخار کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں" (بخاری، مسلم) یعنی جس طرح جسم کا ایک عضو بیمار ہو تو سارے اعضاء اس کی تکلیف میں بیقرار ہو جاتے ہیں اسی طرح جب کوئی مسلمان بھائی تکلیف میں ہو تو اس کے ساتھیوں کو چاہیے کہ وہ اس کی تکلیف اور پریشانی کو محسوس کریں اور اسے دور کرنے کی پوری کوشش کریں۔

مومنوں کے باہمی تعلقات کو آقائے دو جہاں ﷺ نے ایک اور مثال میں یوں بیان فرمایا، "ارشاد ہوا، "سارے مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ دکھے تو سارا جسم بیمار ہو جائے اور اس کے سر میں درد ہو تو بھی سارا جسم بیمار ہو جائے"۔ (مسلم)

غور فرمایئے جب عام مسلمانوں کی مثال ایک جسم سے دی گئی اور انہیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے والا فرمایا گیا تو جو غلبہ حق اور دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دینے کے لیے ایک تنظیم کا جزو بن گئے ہوں اور انہوں نے راہ حق میں جدوجہد کرنے کا عہد بھی کیا ہو، انکا باہمی تعلق تو یقیناً زیادہ مضبوط و مستحکم ہونا چاہیے اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے کا احترام نہ کریں،

ایک دوسرے کی غیبت ، چغلی اور عیب جوئی کریں اور باہم لڑنے جھگڑنے میں مصروف رہیں۔

کسی بھی تنظیم کی مضبوطی کے لیے اشد ضروری ہے کہ اس کے کارکن ایک دوسرے کے جذبات واحساسات کا خیال رکھیں ، ایک دوسرے کی دل آزاری نہ کریں ، مذاق نہ اڑائیں ، غیبت اور عیب جوئی نہ کریں ، بدگمانی نہ کریں ، نہ تو کسی کو حقیر جانیں اور نہ ہی کسی سے حسد کریں ۔ مذکورہ تمام ہلاک کرنے والے گناہوں کے بارے میں آقا علیہ السلام کے ارشادات مبارکہ سے راہنمائی حاصل کرنے کے لیے فقیر کی کتاب ''ضیاء الحدیث'' کا مطالعہ فرمائیں حقیقت یہ ہے کہ جب تک اسلام کے بتائے ہوئے ان سنہری اصولوں پر عمل نہیں کیا جائے گا، تنظیم کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔

نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام کی تربیت میں ان امور کا کس قدر لحاظ فرماتے تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے اصحاب کے ہمراہ سفر میں تھے رات کو ایک جگہ قافلے نے پڑاؤ کیا ۔ ایک شخص نے دوسرے کی رسی اٹھالی اور اسے پریشان کیا ، آپ نے فرمایا ، کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو مذاق میں بھی پریشان کرے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ تم میں سے اچھا وہ شخص ہے جس سے بھلائی کی امید کی جائے اور اس کے شر سے لوگ امن میں ہوں اور تم میں سے برا وہ شخص ہے جس سے بھلائی کی امید نہ کی جائے اور اس کے شر سے لوگ محفوظ نہ ہوں'' ۔ (ترمذی)

داعیان حق کے باہمی تعلقات کے حوالے سے رحمت عالم ﷺ کا یہ فرمان ذہن نشین رہنا چاہیے ، ارشاد ہوا ، ''کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان کو عداوتاً چھوڑ رکھے اگر تین دن گزر جائیں تو اس کو چاہیے کہ اپنے

بھائی سے مل کر سلام کرے اگر وہ سلام کا جواب دے دے تو مصالحت کے ثواب میں دونوں شریک ہونگے اور اگر وہ سلام کا جواب نہ دے تو جواب نہ دینے والا گناہگار ہوگا اور سلام کرنے والا ترک تعلقات کے گناہ سے بری ہو جائے گا"۔ (ابوداؤد)

۷۔ نرمی و درگذر:

نرمی و عفو و درگذر حضور ﷺ کے تربیتی طریقہ کار کا اہم ترین رکن ہے اگر آپ اپنی دعوت منوانے کے لیے شدت و سختی کا رویہ اپناتے تو شمع رسالت کے پروانوں کا جھرمٹ وسیع سے وسیع تر ہونے کی بجائے کم سے کم ہوتا جاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔ "تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت اور دل کے ہوتے تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو"۔

(ال عمران: ۱۵۹، کنزالایمان)

سورہ الفتح آیت ۲۹ میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اوصاف یوں بیان فرمائے گئے کہ "وہ کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل"۔ سورہ آل عمران آیت ۱۳۴ میں پرہیزگاروں کی تعریف میں فرمایا گیا کہ وہ غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگذر کرنے والے ہیں۔ رب تعالیٰ نے آقا علیہ السلام کو یہ تاکید فرمائی "اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے"۔ (الشعراء: ۲۱۵)

نرمی اور بردباری کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے، مومن بردبار اور نرم ہوتے ہیں جیسے اونٹ جس کی ناک میں نکیل پڑی ہو، اگر اسے کھینچا جائے تو کھنچتا چلا جائے اور بٹھایا جائے تو وہ بیٹھ جائے"۔ (ترمذی)

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جب مختلف مزاج اور باصلاحیت دماغ والے افراد کا ایک جگہ جمع ہونے ،تبادلہء خیال کرنے اور کسی مقصد کے حصول کے لیے جدو جہد کرنے کا تعلق قائم ہوتا ہے تو کسی سے ایسی باتیں بھی سرزد ہو جاتی ہیں جو دوسروں کے لیے ناگوار اور ناپسند ہوتی ہیں بعض اوقات ان پر شدید غصہ بھی آجاتا ہے اس وقت دینی بھائیوں میں اخوت ومحبت کے تعلق کی ٹھنڈک کو غصہ اور نا اتفاقی کی گرمی پر ضرور غالب آجانا چاہیے ۔ایسی صورت میں اچھی بات تو یہ ہوگی کہ ہر شخص وسیع القلبی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسروں کی خطا کو درگذر کردے بصورت دیگر اپنا معاملہ تنظیم کے امیر کے پاس پیش کردے تا کہ نظم وضبط برباد نہ ہو۔

رحمت عالم ﷺ کا ارشاد ہے ''بہادر وہ نہیں جو پہلوان ہو اور دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے''۔ (بخاری،مسلم) ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا ''ہر سخت دل، بدکردار اور متکبر آگ میں ڈالا جائے گا''۔(بخاری،مسلم) سخت مزاج والے کو لوگ پسند نہیں کرتے جبکہ نرم مزاج اور خوش اخلاق کارکن بہت جلد لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیتا ہے ۔آقا علیہ السلام ہمیشہ نرمی کا طریقہ اختیار فرماتے البتہ جب کبھی اصلاح وتربیت کے لیے سختی فرماتے تو اس میں بھی محبت وشفقت کے جذبات جھلکتے نظر آتے ۔آپ ﷺ کا فرمان ہے ''کیا میں تمہیں اس شخص کے بارے میں نہ بتادوں جو آگ پر اور آگ اس پر حرام ہے، یہ وہ شخص ہے جو نرم طبیعت ہو، نرم زبان ہو، لوگوں سے قریب ہو اور درگذر کرنے والا ہو''۔(ترمذی)

اگر ساتھیوں میں کسی بات پر اختلاف ہوجائے تو صلح صفائی کرنے میں ہرگز دیر نہ کیجیے بلکہ اپنے قصور کا اعتراف کرنے اور معذرت کرنے میں پیش قدمی کیجیے اسی طرح جب کوئی آپ سے معذرت چاہے تو اس کا عذر قبول کرکے اس کی

طرف سے دل صاف کر لیجئے ۔حدیث پاک میں ارشاد ہوا، ”جس نے کسی مسلمان بھائی سے اپنے قصور کا عذر کیا اور اس نے اس کا عذر قبول نہ کیا اس کو اتنا گناہ ہوگا جتنا ایک ناجائز محصول وصول کرنے والے پر اس کے ظلم کا گناہ ہوتا ہے“۔(بیہقی) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا ”مجھے میرے رب نے نو باتوں کا حکم دیا ان میں سے یہ بھی ہیں کہ، میں اس سے تعلق جوڑوں جو مجھ سے تعلق توڑے اور اسے دوں جو مجھے محروم کرے اور اس کو معاف کروں جو مجھ پر ظلم کرے“۔(مشکوٰۃ)

باہم اعتماد واتفاق:

تنظیم سے وابستہ کارکنوں کے درمیان اخوت ومحبت ،ایثار قربانی اور خیر خواہی کے حوالے سے کافی گفتگو ہو چکی ہے،اس کا نچوڑ یہی ہے کہ ایک کارکن اسلامی معاشرے اور دینی تنظیم کا ایسا مثالی فرد بن جائے کہ دوسرے مسلمان اس پر مکمل اعتماد کرنے لگیں اور اس کے ہاتھ وزبان سے کسی مسلمان کو کوئی خطرہ نہ ہو۔قرآن کریم نے مومنوں کے اس مضبوط تعلق کے اظہار کے لیے ”ولی“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔جس کا معنی ہے محبت کرنے والا ،مددگار،دوست، ارشاد باری تعالیٰ ہوا،”بے شک تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کو اپنا دوست بنائے تو بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے“۔(المائدہ:۵۵،۵۶،کنزالایمان)

نور مجسم ﷺ کا ارشاد ہے،مومن مومن کے لیے ایک عمارت کی طرح ہیں۔جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے پھر آقا علیہ السلام نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر جال بنا کر دکھایا (یعنی

اس طرح مومنوں کے باہمی تعلق کا مضبوط ہونا واضح فرمایا)۔ (بخاری، مسلم) مشہور مقولہ ہے کہ اتحاد میں برکت ہے اور کارکنوں میں باہمی اتحاد و اتفاق باہمی اعتماد اور حسن ظن ہی سے قائم رہ سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اچھا گمان اچھی عبادت ہے۔ (ابوداؤد)

مثنوی شریف میں مولانا روم اس بارے میں فرماتے ہیں کہ سات بیلوں میں مثالی اتحاد تھا جس کے باعث شیر انہیں شکار نہ کر سکتا تھا شیر نے لومڑی سے کہا کہ اگر کسی طرح تم انہیں جدا جدا کر دو تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔ لومڑی نے ایک مکارانہ چال چلی اس نے ایک بیل کے کان میں آ کر یونہی منہ ہلایا جیسے کچھ کہہ رہی ہو پھر وہ چلی گئی۔ باقی بیلوں نے اس سے پوچھا کہ اس نے کیا کہا؟ اس نے جواب دیا کچھ بھی نہ کہا۔ ان بیلوں کے دل میں بدگمانی پیدا ہو گئی کہ جو اس نے کہا یہ بتانا نہیں چاہتا۔ پھر انہوں نے اس بیل کو اپنی دوستی سے خارج کر دیا۔ شیر نے با آسانی شکار کر لیا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد لومڑی نے دوسرے بیل کے ساتھ بھی یہی کام کیا اور وہ بھی دوستی سے نکال دیا گیا اور شیر کا لقمہ بن گیا اس طرح لومڑی کی مکاری سے وہ سب بیل لقمہ اجل بن گئے۔

اس حکایت سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ جب تک آپ اپنے ساتھیوں کے بارے میں نیک گمان نہیں رکھیں گے اعتماد اور اتحاد قائم نہیں رہے گا۔ کتب حدیث میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضور ﷺ فتح مکہ کے لیے تیاری کی خبر پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے مگر حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی لغزش کے باعث قریش کو خط لکھ کر یہ اطلاع دینی چاہی چونکہ یہ خطا خیانت کے مترادف تھی اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کی، اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا، یہ بدر والوں میں سے

ایک ہے اور تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر سے فرمایا ہے کہ ''میں نے تمہیں معاف کردیا''۔

مقام غور ہے کہ ایسی اہم غلطی کے باوجود نبی کریم ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو معاف فرمادیا کیونکہ انکی گزشتہ زندگی اسلام کے لیے قربانیوں سے بھری پڑی تھی۔ انہوں نے غزوہ بدر میں حصہ لیا دین کی خاطر ہجرت کی اور مومنوں کے شانہ بشانہ کافروں سے برسرِ پیکار بھی رہے اس لیے آقا علیہ السلام نے انکی اجتہادی غلطی سمجھتے ہوئے حسن ظن کرکے معاف فرمادیا۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی صفائی میں یہی کہا یارسول اللہ ﷺ! میرا ایمان ہے کہ فتح تو آپ ہی کو ملنی ہے خواہ قریش کو اطلاع ہو یا نہ ہو اس لیے میں نے سوچا مکہ میں میرے گھر والے موجود ہیں اگر میں قریش کو اطلاع کردوں تو ہوسکتا ہے کہ وہ میرے احسان کے بدلے میں میرے گھر والوں کو نقصان نہ پہنچائیں''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہوجاتا ہے''۔ (الحجرات:۱۲) پس ہر کارکن پر لازم ہے کہ وہ اپنی دینی بھائی کے بارے میں بدگمانی نہ کرے اور دوسرے کا بھی فرض ہے کہ وہ ہر ایسی بات سے بچے جو بدگمانی پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہے اگر بالفرض کسی کے بارے میں آپ کے دل میں بدگمانی پیدا ہو تو اسے فوراً اپنے بھائی پر ظاہر کردیں کیونکہ بدگمانی کو دل میں رکھنا خیانت ہے اور اس سے بہت سے فتنے جنم لیتے ہیں اس لیے اسے دور کرنا ضروری ہے۔ جس کے بارے میں بدگمانی ظاہر کی جائے اس کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حقیقت کو واضح کرے تاکہ اس کے دینی بھائیوں کے دل صاف ہوجائیں

نرم دمِ گفتگو ، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

۹۔ ملاقات ورابطہ:

اخوت کا تقاضا ہے کہ اپنے دینی بھائی کی خبر گیری کی جائے اور اس سے ملاقات کا سلسلہ قائم رکھا جائے۔ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ملاقات کرتے رہنے سے محبت ودوستی میں اضافہ ہوتا ہے۔ آپ کی طرح ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ اسکے دوست مشکل میں اس کے کام آئیں اور اس کی غم وخوشی میں شریک ہوں، ایسا اسی صورت میں ممکن ہوگا جب آپ ملاقات کے ذریعے ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہیں گے۔ یہ ایک ایسی نیکی ہے کہ جس کے بارے میں آقا ومولیٰ ﷺ نے اپنے صحابی سے فرمایا،

تم جانتے ہو کہ جب کوئی مسلمان اپنے دینی بھائی سے ملاقات کے لیے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں جو دعا کرتے ہیں کہ الٰہی! اس نے صرف تیرے لیے اس سے تعلق جوڑا ہے تو اسے (اپنی بارگاہ سے) جوڑ لے تو اگر ممکن ہو کہ تم اپنے جسم سے یہ کام لو یعنی ملاقات کرو تو ضرور ایسا کرو"۔ (ابوداؤد)

رحمت عالم ﷺ نے راہ خدا میں ملاقات کرنے کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا، "ایک شخص اپنے کسی دینی بھائی سے جو کسی دوسری بستی میں تھا ، ملاقات کے لیے چلا، اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ اس کے راستے پر بھیج دیا، اس نے پوچھا، کہاں جا رہے ہو؟ جواب دیا، اپنے بھائی سے ملنے، فرشتے نے پوچھا کیا اس کے ذمے تمہارا کوئی حق ہے جو وصول کرنے جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا نہیں سوائے اس کے کوئی وجہ نہیں کہ میں اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہوں، فرشتے نے کہا، مجھے اللہ تعالیٰ نے تیری طرف بھیجا ہے اور یہ بشارت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی تجھ سے ایسی ہی محبت رکھتا ہے جیسی تو اس کی خاطر اپنے دوست سے رکھتا ہے"۔ (مسلم، مشکوۃ) آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا، ''میری محبت، میرے لیے محبت کرنے والوں، میرے لیے بیٹھنے والوں ،میرے لیے ملاقات کرنے والوں اور میرے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرنے والوں کے لیے لازم ہوگئی (مشکوٰۃ) ملاقات کی ایک خاص صورت جسے مسلمان کا حق قرار دیا گیا ہے، یہ ہے کہ اپنے بھائی کی عیادت کی جائے اس کے اجر وثواب کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ، ''جو کسی مسلمان کی عیادت صبح کو کرتا ہے تو شام تک ستر ہزار فرشتے اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور اس کے لیے جنت میں میووں کے باغات ہیں''۔ (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تنظیم کے ہر ساتھی کو دوسرے دینی بھائیوں سے زیادہ سے زیادہ ملاقاتیں کرنی چاہییں ۔اس کا اجر یہ ملے گا کہ وہ ستر ہزار فرشتوں کی دعائے مغفرت اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا مستحق ہوجائے گا اور اگر یہ ملاقاتیں دینی فکر پر مبنی ہوئیں تو دین سیکھنے سکھانے کا بھی ثواب ملے گا اور اس سے دین سے تعلق مزید مضبوط ہوگا کیونکہ راہ حق پر گامزن رہنے کے لیے نیکوں کی صحبت اور یاد الٰہی بہت ضروری ہیں اور اس ملاقات میں دونوں چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ ملاقات کے آداب میں چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ مسلمان بھائی کو سلام کیا جائے ،اس سے محبت بڑھتی ہے

۲۔ دونوں ہاتھوں سے گرم جوشی سے مصافحہ کیا جائے اس سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔

۳۔ اسے اچھے نام سے پکارے، اس سے دوستی مضبوط ہوتی ہے

۴۔ اس سے ذاتی حالات پوچھے اور ان میں دلچسپی لے اس سے محبت پختہ ہوتی ہے۔

۵۔ اس کے اچھے کاموں کی تعریف کرے تا کہ حوصلہ افزائی ہو اور اس کے تعاون

• کرنے یا ہدیہ دینے پر خلوص سے شکریہ ادا کرے۔

۶۔ ملاقات کے دوران دینی امور کے علاوہ دنیاوی کاموں کے بارے میں گفتگو

کرے نیز ہلکا پھلکا مذاق بھی کرلے مگر گناہ کی باتوں سے مکمل اجتناب کرے۔

الادب المفرد میں ہے کہ ''صحابہ کرام علیہم الرضوان ہنسی اور تفریح کے طور پر ایک دوسرے کی طرف تربوزے کے چھلکے پھینکا کرتے لیکن جب لڑنے کا وقت آتا تو یہی میدان جنگ کے شہسوار ہوتے تھے''۔

۱۰۔ نصیحت واحتساب:

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت ودوستی اور ملاقات کے بارے میں پچھلے صفحات میں گفتگو ہوگئی ہے اس ضمن میں ایک اہم بات ذہن نشین رکھنا بہت ضروری ہے وہ یہ کہ ہر کارکن پر لازم ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتا رہے یہ فریضہ انجام دینا حلقہء احباب میں زیادہ ضروری ہے اور نسبتاً آسان بھی کیونکہ دوستی اور محبت کے تعلق سے اپنی بات منوانی آسان ہوتی ہے۔

سورۃ العصر میں نقصان سے بچنے اور فلاح دارین کے حصول کی شرائط بیان ہوئی ہیں جس میں یہ بھی ہیں کہ مومن ایک دوسرے کو حق بات کی تاکید اور صبر کی وصیت کرتے رہیں۔یعنی داعی حق پر لازم ہے کہ وہ اپنے دینی بھائیوں کو مناسب طور پر نصیحت کرکے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرے نیز انہیں اس طرح سمجھائے کہ وہ اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کو خود محسوس کریں اگرچہ یہ کام دشوار ہے کیونکہ تنقید برداشت کرنا نفس پر بہت گراں ہوتا ہے لیکن خلوص، محبت اور دلسوزی کے ساتھ کی جانے والی تنقید دل میں اتر جاتی ہے۔حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''جس نے اپنے بھائی کو سب کے سامنے نصیحت کی اس نے اسے ذلیل کردیا اور جس نے تنہائی میں نصیحت کی اس نے اسے زینت بخش دی''۔ (تنبیہ الغافلین)

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے، ''تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے پس اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی برائی دیکھے تو اسے دور کردے''۔ (ترمذی)

اس تمثیل سے مندرجہ ذیل نکات اخذ کیے جا سکتے ہیں۔

۱۔آپ دوست کے عیب اس وقت واضح کریں جب آپ محسوس کریں کہ وہ تنقید قبول کر کے اپنی اصلاح کر لے گا کیونکہ آئینہ اسی وقت آپ کے عیب ظاہر کرتا ہے جب اس ارادے سے اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔

۲۔کسی کی غیر موجودگی میں اس پر تنقید نہ کریں کیونکہ آئینہ اسی کا چہرا دکھاتا ہے جو سامنے ہو۔

۳۔دوست کی خامیاں کمی بیشی کے بغیر بیان کریں کیونکہ آئینہ ظاہری عیبوں کو بغیر کم یا زیادہ کر کے دکھاتا ہے۔

۴۔بغیر کسی غرض اور بغض و کینہ کے تنقید کریں کیونکہ آئینہ بغیر غرض کے تصویر دکھاتا ہے اور کینہ بھی نہیں رکھتا۔

۵۔تنقید صرف اس لیے ہو کہ وہ اپنے آپ کو سنوار لے جس طرح آئینہ دیکھ کر ہم اپنے آپ کو سنوار لیتے ہیں۔

۶۔آئینہ جب تک خود صحیح بنا ہوا نہ ہو اس میں تصویر صحیح دکھائی نہیں دیتی، اس طرح گرد آلود آئینہ بھی تصویر کو دھندلا دیتا ہے پس آپ کو خود بھی عیبوں سے پاک وصاف رہنا چاہیے۔

۷۔آئینے میں اپنے عیب دیکھ کر کوئی بھی اسے توڑنے کی حماقت نہیں کرتا اسی طرح جب آپ کا دوست لفظوں کے آئینے میں آپ کی تصویر دکھائے تو دوستی کے رشتے پر آنچ نہ آنے دیں بلکہ اپنے دوست کا شکریہ ادا کریں اور آئندہ کے لیے بھی اس سے اصلاح کی درخواست کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے، ''اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے جو مجھ کو میرے عیبوں سے مطلع کرے''۔ (کیمیائے سعادت) یہ بات ذہن نشین رہے کہ

اگر آپ کسی کے بارے میں یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ آپ کی نصیحت قبول کرنے اور اپنے عیوب دور کرنے پر آمادہ نہ ہوگا تو اس صورت میں آپ اس کے والد، بھائی، استاد یا کسی اور سینئر ساتھی سے حکمت بھرے انداز میں اسکی اصلاح کے بارے میں راہنمائی لے سکتے ہیں۔

کسی کی اصلاح کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرحلے میں آپ اس سے دوستی کا اظہار کیجئے۔ آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے، "جب کوئی شخص اپنے دینی بھائی سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اسے بھی ان جذبات سے آگاہ کردے اور اسے بتادے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے"۔ (ترمذی، ابوداؤد) اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوگا کہ وہ آپ کی محبت و دوستی کو محسوس کرے گا اور رفتہ رفتہ یہ باہمی تعلق دلی قرب میں بدل جائے گا، پھر دوسرے مرحلے میں اس محبت کو مضبوط کرنے کے لیے ہدیے اور تحائف دیجئے کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا، "ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو اس سے محبت پیدا ہوگی اور دلوں کی دوری ختم ہوجائے گی"۔ (مشکوٰۃ)

دوست کے ہدیے کو کبھی حقیر نہ سمجھئے اصل چیز قیمت نہیں، خلوص ہوتا ہے ہدیہ کا بدلہ ہدیہ ہوتا ہے آقا علیہ السلام کا پسندیدہ ہدیہ خشبو تھی۔ فی زمانہ علم دین کی اشاعت کے حوالے سے اچھی کتاب کا تحفہ زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے کہ اس سے تبلیغ دین ہوتی ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ، گیارھویں شریف اور ان مقدس ایام کے علاوہ بھی کبھی کبھار دینی احباب کے ساتھ مل کر کھانے پینے کا اہتمام کیجئے ایسے موقع پر بے تکلفی کے ساتھ تبادلہء خیال کیا جاسکتا ہے جب دوستی کا تعلق مضبوط ہوجائے اس کے بعد تنقید و اصلاح کا کام بہت آسان ہوسکتا ہے۔

۱۱۔ خود پسندی سے پرہیز:

بعض داعیان حق یا تنظیم کے عہدیداران اپنی ذات کے گرد ایک خول

چڑھا کر خلوت پسند ہو جاتے ہیں وہ اپنی نشست و برخاست بعض مخصوص افراد تک محدود کر کے عام لوگوں سے الگ تھلگ ہو جاتے ہیں اس طرح دینی جدو جہد کو شدید نقصان پہنچتا ہے ایسی خلوت نشینی کا سبب اکثر خود پسندی ہوتا ہے جسے اولیاء کرام تکبر کی ایک قسم قرار دیتے ہیں۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے ہلاک کرنے والی چیزوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ، ''ان میں سب سے زیادہ خطرناک بات انسان کا اپنے آپ کو دوسروں سے اچھا جاننا ہے''۔ (مشکوٰۃ)

محض گفتگو میں اپنے آپ کو بہت حقیر و فقیر کہنا، نمائشی طور پر رفتار و انداز میں عاجزی دکھانا بہت آسان ہے لیکن راہ حق میں عملی جدو جہد کرنا، اپنے آرام کو قربان کرنا، اچھے برے لوگوں کی کڑوی کسیلی باتوں کو برداشت کرنا، اپنی کوتاہیوں کو سننا اور رضائے الٰہی کے لیے اپنی غلطیاں مان لینا انتہائی مشکل کام ہیں نیز لوگوں سے الگ تھلگ رہنے والا داعی دعوتِ حق کا فریضہ کما حقہ ہرگز انجام نہیں دے سکتا۔ اس سلسلے میں بھی آقا و مولیٰ ﷺ کا اسوہ حسنہ مشعل راہ بنایئے کہ ان جیسا عظیم داعی، ان جیسا مشفق مبلغ اور ان جیسا عابد و عالم نہ کوئی ہوا اور نہ قیامت تک کوئی ہوگا۔

''حضور علیہ السلام جو وقت اپنے گھر میں گزارتے اسے تین حصوں میں تقسیم فرماتے، ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے، ایک اہل خانہ کے لیے اور ایک حصہ اپنے صحابہ کرام کے لیے مخصوص فرماتے اور انکی دینی فضیلت کے لحاظ سے ان پر وقت تقسیم فرماتے۔ آپ انہیں انکی اور امت کی اصلاح سے متعلق کاموں میں مشغول فرماتے اور ضروری ہدایات فرماتے۔ نبی کریم ﷺ کا جو وقت گھر سے باہر گزرتا اس میں آپ لوگوں کو عذاب سے ڈراتے اور حق کی دعوت دیتے، اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی خبر گیری کرتے اور ان سے لوگوں کے

حالات بھی دریافت فرماتے۔ آپ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ آپ کے صحابہ کرام دعوت یا دین کے کاموں میں غافل یا ست [illegible] (شمائل ترمذی ملخصا)

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام سے ملاقاتیں کرنا، انہیں اصلاح کے لیے ہدایات دینا، انکی خبر گیری فرمانا اور انکے دعوتی کاموں کی کارکردگی کا جائزہ لینا آقا و مولیٰ ﷺ کا معمول تھا گویا مذکورہ امور انجام دینے کے لیے خلوت نشینی سے گریز بہت ضروری ہے۔

ایک دن صحابہ کرام علیہم الرضوان کسی شخص کی بہت تعریف کر رہے تھے کہ اسی وقت وہ شخص بھی آ گیا صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہی وہ شخص ہے جس کی ہم ابھی تعریف کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا، مجھے تو اس میں منافقت کی علامت دکھائی دے رہی ہے، سب کو تعجب ہوا، آپ نے فرمایا، اے شخص تجھے خدا کی قسم! سچ بتا کیا تو خیال نہیں کرتا کہ تو اس قوم کا بہترین شخص ہے؟ اس نے کہا ہاں مجھے اکثر خیال آتا ہے۔ آقا علیہ السلام نے اس برے خیال کو منافقت سے تعبیر فرمایا۔ ایک اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ، "اپنے آپ کو بزرگ و برتر سمجھنا علم کی بڑی آفت ہے"۔ کیونکہ حقیقی علم تو خوف خدا اور تقویٰ پیدا کرتا ہے۔ (کیمیائے سعادت)

امام غزالی نے متکبر کی ایک علامت بیان کی ہے کہ اگر کوئی شخص اسکے ساتھ چلنے والا نہ ہو تو وہ کہیں جانا پسند نہیں کرتا گویا وہ اکیلے چلنا توہین سمجھتا ہے اور ایک علامت یہ بھی بتائی ہے کہ وہ کسی سے ملاقات کے لیے نہیں جاتا یعنی وہ اپنی خود پسندی کے باعث لوگوں سے ملنے جلنے سے کتراتا ہے۔ حدیث پاک میں متکبر کی ایک علامت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ اپنی تعظیم کئے جانے کو پسند کرتا ہے ارشاد ہوا، "جو اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے

رہیں اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے ۔" (ترمذی) یہ بھی فرمایا گیا "جب تم کسی عاجز کو دیکھو تو عاجزی کرو اور جب متکبر سے ملو تو تکبر سے پیش آؤ تاکہ اس کا غرور ختم ہو جائے"۔

اس عنوان پر اکابر اولیاء کرام کے چند ایمان افروز اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

" تو ابتدا میں گندے پانی کا ایک ناپاک قطرہ تھا اور تیرا انجام یہ ہوگا کہ ناپاک مردار ہو جائے گا اور اس وقت تو ان دونوں حالتوں میں اپنے پیٹ میں غلاظت کا بوجھ اٹھائے پھرتا ہے"۔

"عاجزی کا حق اس وقت ادا ہوتا ہے جب تم حق بات کو تسلیم کرلو خواہ وہ بات کوئی بچہ کہے یا جاہل شخص"۔

"اہل کرم جب تقویٰ اختیار کرتے ہیں تو عاجز بن جاتے ہیں اور کوئی چھوٹا آدمی جب نیک بنتا ہے تو متکبر و مغرور ہو جاتا ہے"۔

"جب تک تو کسی ایک مسلمان کو بھی اپنے سے کمتر سمجھتا ہے تو متکبر ہے"

(کیمیائے سعادت)

۱۲۔ تربیتی اجتماعات:

داعیان حق کو اپنے ساتھیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کوشاں رہنا چاہیے اس مقصد کے لیے ہفتہ وار درس کی محافل، ذکر و نعت کی مجالس اور روزمرہ کے رابطے کے علاوہ خصوصی تربیتی نشستیں اور تربیتی تفریحی پروگرام بھی منعقد کیے جاسکتے ہیں درس کی محافل سے ساتھیوں کے علم میں اضافہ ہوتا ہے، ذکر و نعت کی محفلوں سے مردہ دلوں میں روحانیت پیدا ہوتی ہے، روزانہ رابطے سے دینی تنظیم سے تعلق کا احساس پختہ ہوتا ہے اور خصوصی نشستوں کے ذریعے افکار و اعمال کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے میں مدد ملتی ہے۔

کارکنوں کی تربیت کرنے کا ایک بہتر طریقہ یہ ہے کہ بنیادی دینی تعلیمات پر مشتمل ایک نصاب تیار کیا جائے جسے ہفتہ وار درس کے ذریعے بیان کیا جائے، اور ہر تین ماہ بعد اور آخر میں سال کے بعد کارکنوں کا امتحان لیا جائے ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ نصابی کتب کی فہرست کارکنوں کو دی جائے اور متعلقہ عنوانات بتادیے جائیں تاکہ وہ لائبریری سے کتب لے کر مطالعہ کریں اور پھر امتحان دیں۔ امتحان زبانی اور تحریری دونوں طرح لیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کارکنوں کے علم میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا اور وہ تنظیم میں شمولیت کو اپنے لیے فائدہ مند جانیں گے نیز ایسے اہل علم کارکن دوسرے لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے میں اہم کردار ادا کرسکیں گے اور لادینیت اور بدمذہبیت کے خلاف مضبوط دیوار ثابت ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو بے شمار صلاحیتوں سے نوازا ہے اب یہ اس کا کام ہے کہ وہ اپنی کونسی صلاحیتیں اجاگر کرتا ہے۔ بعض ساتھی اپنے افکار کو لفظوں کا روپ دینے میں کمال رکھتے ہیں ایسے کارکنوں کو تقریر کی تیاری کرائی جائے تاکہ وہ آپ کی راہنمائی اور اپنی تھوڑی سی کوشش سے اچھے مقرر بن سکیں۔ بعض ساتھی تقریر سے زیادہ تحریر سے دلچسپی رکھتے ہیں انہیں مضامین لکھنے کی تربیت دی جائے اور انکی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اسی طرح بعض دوست انتظامی معاملات چلانے میں قدرتی طور پر زیادہ باصلاحیت ہوتے ہیں۔ لائبریری و دفتر کا نظم ونسق، عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر جلسہ و جلوس کے انتظامات اور دیگر پروگراموں کے انعقاد میں انہیں ذمہ دار بنا کر انکی صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ کیا جاسکتا ہے اسی طرح بعض ساتھی خوش الحان بھی ہوتے ہیں انہیں نعت خوانی کی تربیت دی جانی چاہیے تاکہ تنظیم کے پاس اپنے نعت خواں ہوں جو حسب

موقع سرکار دوعالم ﷺ کی مدحت سرائی سے دلوں میں عشق رسول ﷺ کی شمع مزید فروزاں کرتے رہیں۔

چونکہ تربیت میں ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے اس لیے شمع رسالت کے پروانوں کا آپس میں ملنا جلنا دینی ماحول کے قیام میں اہم کردار ادا کرتا ہے البتہ بعض مواقع ایسے آتے ہیں جب کم محنت سے زیادہ بہتر نتائج پیدا کرنا آسان ہوتا جیسے ماہ رمضان یا شب برات وغیرہ نیز اس طرح ماہ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کو بھی تربیت کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان مقدس ایام میں لوگوں کے سامنے ایسا جامع اور اثر انگیز پروگرام پیش کیا جائے جس کے اثرات سے فیضیاب ہوکر وہ ایک ذمہ دار مومن کی سوچ اپنالیں اور پھر سارا سال دوسروں تک دعوت حق پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیں۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بچے عموماً دین کی طرف آسانی سے مائل ہو جاتے ہیں انہیں ہرگز نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ ان کی مناسب تربیت اور حوصلہ افزائی کے لیے تنظیم میں بچوں کا ایک الگ شعبہ قائم کیا جائے، اس سے بچوں میں زیادہ دلچسپی پیدا ہوگی اور یہی بچے کل کو بہترین کارکن ثابت ہونگے۔ تربیتی اجتماعات کے بارے میں چند باتوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے:

۱۔ پروگرام مختصر اور جامع ہونا چاہیے عام ہفتہ وار اجتماع کا دورانیہ ایک گھنٹہ سے زائد نہ ہو۔

۲۔ وقت کی پابندی نہایت ضروری ہے خواہ لوگ کم ہو یا زائد، پروگرام وقت پر شروع کر دینا چاہیے۔

۳۔ تربیتی نشست میں قرات، نعت، حلقہ ذکر اور درس قرآن و حدیث کے علاوہ مذاکرہ اور مباحثہ بھی رکھا جا سکتا ہے۔

۴۔ نئے ساتھیوں کی تربیت میں دو اصول بنیاد بنائے جائیں۔ اول: انہیں دعوت حق کی ضرورت بتا کر انہیں اس کا طریقہ وآداب سکھائیں۔ دوم: انہیں راہ خدا میں مال اور وقت دینے کی اہمیت بتا کر انکی قربانی دینے پر آمادہ کریں۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال و جواب کی صورت میں بھی دینی مسائل صحابہ کرام علیہم الرضوان کو سکھائے ہیں لہذا تربیت کے لیے سوال و جواب کا طریقہ بھی اپنایا جاسکتا ہے۔

۶۔ آقا علیہ السلام نے کئی مسائل اپنے عمل کے ذریعے بھی سکھائے، تربیتی پروگرام میں نماز جنازہ اور میت کے غسل وکفن کا طریقہ علامتی عملی مشق کے ذریعے بھی نئے ساتھیوں کو سکھانا بہتر رہے گا۔

۷۔ تمام تنظیمی اور تربیتی پروگراموں میں میانہ روی کو اختیار کیا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اسکے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو وعظ فرماتے تھے کسی نے عرض کی، آپ روزانہ وعظ فرمایا کریں۔ ارشاد فرمایا، مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ تمہیں مشکل میں ڈال دوں۔ آقا علیہ اسلام ہمیں مشکل و ملال سے بچانے کے لیے روزانہ وعظ نہ فرماتے تھے اسی لیے میں تمہارا ویسا ہی خیال رکھتا ہوں۔ (بخاری، مسلم)

۸۔ کارکنوں کو اضافی عبادات کی طرف راغب کیا جائے جیسے پیر اور جمعرات کا روزہ رکھنا، تہجد، تحیۃ الوضو اور اشراق وغیرہ کے نوافل ادا کرنا، روزانہ مخصوص تعداد میں استغفار اور درود شریف پڑھنا۔ یہ سب اعمال سنت سے ثابت ہیں انہیں اپنانے سے روحانیت پیدا ہوتی ہے اور ایمان مزید مضبوط ہوتا ہے۔

۱۳۔ مشاورت:

تنظیم کے ذمہ دار افراد کو تمام تنظیمی امور اپنے ساتھیوں کے مشورے سے

طے کرنے چاہئیں ۔اس سے دوسرے ساتھیوں کو اپنی اہمیت اور تنظیمی امور میں شرکت کا احساس ہوتا ہے، انکی دلچسپی بڑھ جاتی ہے، آپ کے لیے ان کے دل میں احترام وسیع ہو جاتا ہے اور ذمہ داری باہم تقسیم ہو جاتی ہے نیز مشورہ کرنے سے اس معاملے کے مختلف پہلو نکھر کر سامنے آتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو رب تعالیٰ نے اپنے خاص صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کی تاکید فرمائی ۔ارشاد ہوا، "کاموں میں ان سے مشورہ لو اور جب کسی بات کا پکا ارادہ کرلو تو پھر اللہ پر بھروسہ رکھو"۔ (آل عمران:۱۵۹، کنزالایمان) معلوم ہوا کہ مشورہ کرنا آقا علیہ السلام کی سنت مبارکہ ہے۔قرآن حکیم نے یہ بھی بتایا ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے معاملات بھی باہم مشوروں سے طے ہوتے تھے۔ (الشوریٰ) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو قوم مشورہ کرتی ہے وہی صحیح راہ پر پہنچتی ہے۔ (خزائن العرفان)

مشاورت کے دوران اس بات کا ضرور خیال رکھیے کہ کسی ساتھی کی حوصلہ شکنی نہ ہو بلکہ سب کی تجاویز توجہ سے سنی جائیں۔اگر کسی کی تجویز ومشورے کو آپ سنتے ہی مسترد کر دیں گے اس سے نہ صرف اس کی دل شکنی ہوگی بلکہ ممکن ہے کہ وہ آئندہ کے لیے مشورے سے ہی گریز کرے۔اس طرح اس کی فکری صلاحیت سے آپ استفادہ نہ کر پائیں گے۔ایک ذمہ دار کارکن کو چاہیے کہ وہ ہر کارکن کی تجویز غور سے سنے اگر وہ تجویز ناقابل عمل ہو تو بھی اس کی تجویز کے اچھے پہلوؤں کی تعریف کرے اور اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے ساتھ ساتھ اسے سمجھائے کہ اس کی تجویز کے کون سے پہلو کن وجوہ کی بنا پر قابل عمل نہیں۔

اجلاس کے دوران تمام شرکاء کو اس بات کا ضرور احساس رہنا چاہیے کہ وہ ایک اہم مقصد کے لیے جمع ہوئے ہیں اس لیے انہیں سنجیدگی کے ساتھ متعلقہ

موضوع پر گفتگو کرنی چاہیے۔ کسی کی بات کاٹ کر درمیان میں بولنا یا کئی لوگوں کا ایک ساتھ بولنا یا سنجیدہ گفتگو کے دوران طنز و مزاح کا سلسلہ شروع کر دینا نہایت غیر مناسب بات ہے جو کہ کارکنوں کے غیر ذمہ دارانہ رویے کی علامت ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ جب لوگ مشورہ دیں گے تو ظاہر ہے کہ سب کے مشورے تو نہیں مانے جاسکتے لہذا اس بات کو ہرگز کوئی انا کا مسئلہ نہ بنائے کہ میرا مشورہ نہیں مانا گیا۔ اس سلسلے میں رضائے الٰہی اور اطاعت امیر ان دونوں اصولوں کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

۱۴۔ عہدیداروں کا انتخاب:

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو، (اللہ تعالیٰ) تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا''۔ (الاحزاب: ۷۰، ۷۱، کنز الایمان) معلوم ہوا کہ تمام مومنوں کو اور خاص طور پر داعیان حق کو سچی اور سیدھی بات ہی کہنا چاہیے اسی سے سب اعمال میں درستگی پیدا ہوتی ہے پس نہ تو کبھی عہدیدار اس طریقہ سے ہٹے اور نہ ہی کوئی داعی اس ہدایت سے دور ہو۔

تنظیم میں ایک اہم مسئلہ مختلف ذمہ داریوں کے لیے کارکنوں کے انتخاب کا ہوتا ہے رب تعالیٰ کا حکم یہ کہ تم اپنی امانتیں انہی کے سپرد کرو جو اس کے اہل ہیں۔ (النساء: ۵۸) آقا علیہ السلام نے فرمایا، جب امانتوں کا ضیاع عام ہو جائے تو سمجھو کہ قیامت قریب ہے۔ عرض کی گئی، امانت ضائع کرنے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ فرمایا، جب ذمہ داریاں نااہل لوگوں کو سونپ دی جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ (بخاری)

جانبداری، اقربا پروری، بیجا رواداری یا کسی ذاتی مفاد کی وجہ سے کسی کے حق میں رائے دینا خیانت ہے جو کسی صورت جائز نہیں۔ امیر اور دیگر عہدیدار متقی، مخلص اور ان تمام خصوصیات کے حامل ہونے چاہیں جو پہلے بیان کی گئیں۔ ان

میں سے کوئی عوام میں غلط شہرت نہ رکھتا ہو کیونکہ انکے کردار کا تنظیم کی سرگرمیوں پر گہرا اثر ہوتا ہے۔

جب کسی کو ذمہ داری سونپ دی جائے تو اسے چاہیے کہ خلوص، دیانت، احساس ذمہ داری اور انتھک محنت کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دے۔ آقا علیہ السلام کا ارشاد ہے، ''جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی امور کا ذمہ دار ہو اور وہ انکے ساتھ خیانت کرے (یعنی اپنی ذمہ داریاں دیانتداری سے ادا نہ کرے) تو اللہ عزوجل اس پر جنت حرام فرمادے گا''۔ (بخاری، مسلم)

اگر کوئی عہدیدار جو زیادہ ذمہ دار کارکن ہوتا ہے بالفرض اپنی ذمہ داریاں بہتر طریقے سے ادا نہ کر سکے تو اس کو چاہیے کہ تنظیم کے بہترین مفاد میں رضائے الٰہی کے لیے اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائے تا کہ کوئی اور متحرک کارکن اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے ادا کر سکے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، کسی مومن کے لیے اپنے نفس کو ذلیل کرنا جائز نہیں۔ عرض کی گئی، کوئی شخص اپنے نفس کو کس طرح ذلیل کرتا ہے؟ فرمایا، اس طرح کہ وہ اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ اٹھائے۔ (ترمذی)

۱۵۔ خود احتسابی:

امیر اور داعیان حق کی ایک ذمہ داری یہ ہے کہ خود احتسابی کا اصول اپنائیں تا کہ وہ اپنی کارکردگی کا خود تنقیدی جائزہ لیتے رہیں اور اس طرح اپنی خامیوں کو دور کر سکیں۔ تنظیم کے عہدیدار کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ وہ عہدیدار نہیں بلکہ وہ ذمہ دار ہیں انہیں نہ صرف خود دین کی سربلندی کے لیے جدو جہد کرنی ہے بلکہ دوسرے داعیان حق کی بھی راہنمائی کرنی ہے

انہیں پہلے اپنے حدف کا تعین کرنا چاہیے مثال کے طور پر ہر داعی ایک ماہ میں ۲۵ نئے افراد کو دینی دعوت دے گا یا اتنے نے نمازیوں کو نماز پڑھنے کی ترغیب

دے گا اور۰ ا نمازیوں کو عقائد یا فقہی مسائل سکھائے گا یا سیکھنے کے لیے آمادہ کرے گا اور خود فلاں فلاں عنوانات پر دینی کتب کا مطالعہ کرے گا۔

ہدف کا تعین کرنے کے بعد ہر ماہ میں ایک یا دو بار اپنی کارکردگی کو جانچنے کے لیے ''احتسابی اجلاس'' منعقد کئے جائیں جن میں تنظیم کے تمام ذمہ دار افراد جمع ہو کر اپنی اپنی کارکردگی کی رپوٹ پیش کریں اور اس بات کا جائزہ لیں کہ ہر کارکن نے کس حد تک اپنی ذمہ داری کو ادا کیا ہے۔ پھر دوسرے ساتھی نرم لفظوں، میٹھے لہجے اور تمام اسلامی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس پر مثبت تنقید کریں۔ اگر وہ خامی کی نشان دہی کریں تو خوش دلی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کریں اور اس ناقد کا شکریہ ادا کریں۔

اگر وہ غلط فہمی کی بناء پر آپ کے متعلق سخت جملے کہہ دیں تو صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب میں ہرگز سخت جملہ نہ کہیں بلکہ اپنے اوپر قابو رکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیں۔ یہ کام اسی صورت میں آسان ہوگا جبکہ آپ کی جدو جہد اپنی ذات یا عزت نفس کے لیے نہیں بلکہ ایک اعلیٰ مقصد اور عظیم نصب العین کے لیے ہو جس کا ثمرہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی رضا کی صورت میں مومنوں کو نصیب ہوتا ہے۔

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

۱۶۔ نظم وضبط کی پابندی:

کسی تنظیم کا وجود اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک اس کے اراکین مخصوص اصول وضوابط کی پابندی کرتے رہتے ہیں اور جب وہ اراکین نظم ضبط کی پابندی چھوڑ دیتے ہیں، تنظیم ختم ہو جاتی ہے۔ قرآن میں مومنوں کی صفت یہ بیان

فرمائی گئی ہے کہ وہ راہ خدا میں ایسے اتفاق اتحاد سے جہاد کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (الصف:۴)

دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ، آپس میں جھگڑو نہیں کہ تم بزدلی کرو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (الانفال:۴۶) معلوم ہوا کہ نظم وضبط کی پابندی کیے بغیر سیسہ پلائی دیوار بنا ممکن نہیں اور کارکنوں کے باہم اختلاف سے تنظیم کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے اگر صبر کا دامن تھاما نہ جائے۔ امیر عہدیداران کو چاہیے کہ خود بھی نظم وضبط کی پابندی کریں اور کارکنوں کو بھی اس کی تلقین کریں۔

اگر کوئی ساتھی پروگرام میں شریک نہیں ہوسکتا اور اس کے پاس شرعی عذر ہے تو اس عذر کو قبول کر لینا چاہیے لیکن جو ساتھی بغیر شرعی عذر کے اجلاس میں نہ آئیں یا اپنی ذمہ داری صحیح طریقے سے ادا نہ کریں انہیں تنبیہ کرنا یا مناسب تربیتی سزا دینا بھی نظم وضبط کا اہم جزو ہے۔

اس سلسلے میں سورہ توبہ کی آیت ۱۱۸ کے تحت تین صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کا واقعہ پڑھیے جن سے غزوہ تبوک کیلئے نکلنے سے سستی ہوئی اور وہ جہاد کے لیے نہ نکل سکے تو اس وجہ سے حضور علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق پچاس دن تک صحابہ کرام نے ان سے قطع تعلق رکھا اور انکے رشتہ داروں اور دوستوں نے بھی ان سے کلام ترک کردیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی انہیں پہچانتا ہی نہیں۔ اسی دوران شاہ غسان نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک خط کے ذریعے ورغلانے کی کوشش کی، لکھا کہ تم کوئی ذلیل آدمی نہیں ہو، تمہارے صاحب تم پر ظلم کررہے ہیں ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہیں اعلیٰ منصب دیں گے۔ انہوں نے وہ خط پھاڑ دیا۔

ان تینوں اصحاب نے اپنی غلطی پر شرمندگی ظاہر کی اور شب وروز گریہ

زاری کر کے بارگاہ الٰہی میں مغفرت مانگتے رہے اور اس سزا پر غم وغصہ ظاہر کیے بغیر اخلاص کے ساتھ اطاعت امیر پر قائم رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ قبول فرمائی۔

اکثر تنظیمیں اور جماعتیں بڑے جوش خروش سے قائم کی جاتی ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جوش خروش ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور پھر اس تنظیم کا نشان بھی باقی نہیں رہتا۔اس کا ایک اہم سبب نظم وضبط کا فقدان ہوتا ہے،خوش اخلاقی اور شفقت ومحبت اپنانے کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہوتا کہ تنظیم کے نظم وضبط کو تباہ ہونے دیا جائے ،اس لیے غیر ضروری نرمی اور بے جا ڈھیل انتشار کا باعث بنتی ہے۔ اختلاف رائے بذات خود بری بات نہیں البتہ بلکہ اختلافات کو انا کا مسئلہ بنا کر تنظیم میں گروہ بندی کرنا ایک بدترین جرم ہے۔جس کی فوری روک تھام بے حد ضروری ہوتی ہے۔ایسے لوگوں کو حکمت کے ساتھ سمجھانا چاہیے اگر پھر بھی وہ ضد پر اڑے رہیں تو انہیں تنظیم سے رخصت کرنے میں ہی عافیت ہے۔

۱۷۔کارکنوں سے اچھا برتاؤ:

بہترین عہدیدار اور اچھا امیر وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مخلص ہو،اپنے نصب العین سے مخلص ہو اور اپنے زیر تربیت کارکنوں کے لیے بھی مخلص ہو،وہ اپنے کارکنوں کی اچھی تربیت کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے اور اسے ان سے اسقدر زیادہ دلی ہمدردی اور محبت ہو کہ وہ انہیں جو بات بھی کتنے ہی سخت لہجہ اور ڈانٹ کے انداز میں کہے وہ اسے اپنے لیے رحمت وشفقت سمجھیں اور انہیں اس بات کا کامل یقین ہو کہ ہمارے نصیحت کرنے والے کے غصے اور ڈانٹ میں بھی ہماری بھلائی ہے۔

بعض لوگ شکوہ کرتے ہیں کہ ''لوگ کام نہیں کرتے'' لیکن اصل سوال یہ

ہے کہ کیا تنظیم کے سرکردہ افراد کارکنوں سے کام لینا جانتے ہیں؟ ہر وقت حکم دینے والے انداز میں گفتگو کرنا، خود کو کارکنوں سے برتر جاننا، کارکنوں کی معمولی غلطیوں پر انہیں سخت الفاظ اور حقارت بھرے لہجے میں ڈانٹنا وغیرہ ایسی باتیں ہیں جو کارکنوں کو ان بڑے لوگوں سے متنفر کر دیتی ہیں۔ عہدیدار اور کارکنوں کا باہمی رشتہ اخوت ومحبت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اگر یہ بنیاد کمزور ہو جائے تو یہ رشتہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

کارکنوں کی مثال نازک آبگینوں سے بھی دی جاسکتی ہے جو معمولی سی ٹھیس سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ تنظیمی ماحول میں ہر وقت خشک مزاج اور افسردہ بھی نہیں رہنا چاہیے، آقا و مولی ﷺ بھی اپنے شایان شان خوش طبعی فرماتے تھے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ آقا و مولی ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا کوئی نہ تھا۔ (ترمذی)

مواہب لدنیہ میں ہے کہ "آپ اپنے صحابہ کرام سے اس انداز میں خوش طبعی فرماتے کہ انکے دلوں میں اپنی محبت کا بیج بو دیتے"۔ اسلامی تنظیم کے ذمہ دار افراد کو بھی اپنے کارکنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے، انکے جذبات و احساسات کی قدر کرنی چاہیے، حسب موقع انکی تعریف اور حوصلہ افزائی بھی کرتے رہنا چاہیے۔ ایک سینئر کارکن کے چند حوصلہ افزائی کے جملے کسی سست کارکن کو متحرک بنا سکتے ہیں اسی طرح اس کے چند حوصلہ شکن جملے کسی متحرک وفعال کارکن کو ضائع کر سکتے ہیں۔

تنظیم کے عہدیداروں یعنی ذمہ دار افراد کو کارکنوں کے مسائل سے بھی آگاہ رہنا چاہیے اور انہیں حل کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے اس کے لیے بہت ضروری ہے کہ کارکنوں سے مسلسل رابطہ رکھا جائے۔ دور حاضر میں یہ کام اس طرح بھی آسانی سے ممکن ہے کہ کارکنوں کی ٹیلیفون ڈائریکٹری بنا لی جائے اور بذریعہ ٹیلیفون ان سے وقتاً فوقتاً رابطہ رکھا جائے۔

۱۸۔ جہد مسلسل:

تنظیم کے لیے جمود موت ہے اور نصب العین کے حصول کے لیے جدو جہد کرنا ہی زندگی ہے۔ بقول علامہ اقبال،

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

پانی کھڑا رہے تو گندہ ہو جاتا ہے اس لیے تنظیم کو جمود سے بچانا بے حد ضروری ہے۔ امیر کی ایک اہم ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ تنظیمی کے کارکنوں کو ایسا لائحہ عمل بنا کر دے جس پر عمل کرنا نہ تو ان کے لیے بوجھ ہو اور نہ ہی انہیں اتنی فراغت ملے کہ وہ نصب العین سے غافل ہو جائیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ، ''مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ میں تمہیں فارغ بیٹھے دیکھوں کہ نہ تم دنیا کا کوئی کام کرو اور نہ ہی آخرت کے لیے کوئی عمل''۔ (روح المعانی) یعنی کاہل اور نکما رہنا بڑا عیب ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''تو جب تم ایک عبادت سے فارغ ہو جاؤ تو دوسری عبادت میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو''۔ (الم نشرح ۷،۸)

مفسرین فرماتے ہیں کہ مومن کو فرض عبادت اور دیگر ضروری مصروفیات سے جب بھی فرصت ملے اسے دعوت حق کے کاموں میں مشغول ہو جانا چاہیے اور کسی صورت بے کار نہیں رہنا چاہیے۔ آقا علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے، ''دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اکثر لوگ نقصان میں ہیں وہ ہیں صحت اور فراغت''۔ (بخاری)

یعنی ان نعمتوں کو غفلت کے ساتھ بیکار اور لغو کاموں میں برباد کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ

فرماتے ہیں،

دن لہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے
شرمِ نبی ،خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

امام غزالی ''کیمیائے سعادت میں تحریر فرماتے ہیں ،''بیکار اور فارغ نوجوان کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ جب جوان فارغ ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں گھر بنالیتا ہے اور اس کا دل ودماغ برے خیالات اور وسوسوں سے بھر دیتا ہے۔جس کی وجہ سے اس کے بھٹکنے کے امکان بڑھ جاتے ہیں اس لیے ایسے جوان کو چاہیے کہ وہ اپنے جسم کو کسی اچھے کام میں مشغول رکھے تاکہ اس کا دل وسوسوں کی طرف مائل نہ ہو''۔

سورہ الم نشرح کی مذکورہ آیت ے میں ''فَانْصَبْ'' کا ترجمہ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''محنت کرو'' فرمایا ہے۔ظاہر ہے کہ مشکل کام کرنے میں ہی محنت درکار ہوتی ہے آسان کام تو معمولی کوشش سے ہی ہو جاتے ہیں۔پس شمع رسالت کے پروانوں پر لازم ہے کہ وہ دین کی سربلندی کے لیے ،خوف خدا عزوجل وعشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فروغ کے لیے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے باطل وطاغوت کے خلاف مصروف جہاد ہو جائیں اور اس راہ کی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے سرگرم عمل رہیں۔

مسلمِ خوابیدہ اٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ چمک اٹھا افق گرم تقاضا تو بھی ہو
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے

صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم

باب چہارم

راہ حق کی آزمائشیں

شہادت گہہ الفت:

ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر ہے،

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

یعنی جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوتو کانپ جاتا ہوں کیونکہ مجھے کلمہ حق کہنے کی مشکلات معلوم ہیں

راہ حق کی کڑوی باتوں اور ذلت آمیز طعنوں سے بھی آزمائش ہوتی ہے ارشاد ہوا، "بیشک تمہاری آزمائش ہوگی تمہارے مال اور تمہاری جانوں میں اور بیشک تم اگلے مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے، اگر صبر کرو اور بچتے رہوتو یہ بڑی ہمت کا کام ہے"۔ (آل عمران:۱۸۶)

آج آپ دیکھ لیجئے کہ راہ حق پر چلنے والوں کو مولوی اور ملا کہا جاتا ہے کبھی بنیاد پرست اور بیک ورڈ قرار دیا جاتا ہے اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ بعض اہل باطل دین کی آڑ میں اہل حق کو مشرک اور بدعتی کہہ کر شعائر اہل سنت کا مذاق اڑاتے ہیں۔ قرآن عظیم بتاتا ہے کہ یہ آزمائشیں نئی نہیں ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہوا، "اور بیشک ہم نے تم سے پہلے اگلی امتوں میں رسول بھیجے اور انکے پاس کوئی رسول نہ آتا مگر اس سے ہنسی کرتے ہیں"۔ (الحجر:۱۰،۱۱، کنزالایمان)

جب انبیاء کرام کا مذاق اڑایا گیا تو ہم کس شمار میں ہیں؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، یارسول اللہ ﷺ! سب سے زیادہ سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے؟ ارشاد فرمایا، ''انبیاء علیہم السلام کی پھر جو دین و ایمان میں ان سے زیادہ قریب ہو۔ آدمی کی آزمائش اس کے دین کے لحاظ سے ہوتی ہے پس جو شخص اپنے دین میں مضبوط ہوتا ہے اسکی آزمائش سخت ہوتی ہے اور جو شخص دین کے اعتبار سے کمزور ہوتا ہے اسکی آزمائش ہلکی ہوتی ہے یہانتک کہ مومن زمین پر اس طرح چلتا ہے کہ اس کے ذمہ کوئی گناہ باقی نہیں ہوتا''۔ (مشکوۃ)

ایک صحابی بارگاہ نبوی میں عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ ﷺ! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ ارشاد فرمایا سوچ لے تو کیا کہہ رہا ہے، انہوں نے عرض کی ، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں، یہ بات اس نے تین بار کہی۔ آقا علیہ السلام نے فرمایا، ''اگر تو سچا ہے تو فقیری کے مقابلے کے لیے اچھی طرح تیار ہو جا کیونکہ مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف فقیری سیلاب کے پانی سے بھی زیادہ تیز دوڑتی ہے''۔ (ترمذی)

ایک حدیث شریف میں ارشاد ہوا۔ ''مسلمان کو تھکاوٹ، غم، بیماری ، تکلیف وغیرہ جو بھی پہنچے حتیٰ کہ کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے''۔ (بخاری، مسلم) دوسری حدیث میں فرمایا گیا، ''اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اعلیٰ مقام عطا فرمانا چاہتا ہے جسے وہ نیکی سے حاصل نہیں کرسکتا تو اللہ تعالیٰ اسے جان و مال اور اولاد کی پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس بندے کو صبر بھی عطا فرماتا ہے یہانتک کہ وہ اس اعلیٰ مقام کو حاصل کر لیتا ہے (امام اعظم)

آقا و مولیٰ ﷺ کا ایک اور ارشاد مبارک ہے، ''قیامت کے دن جب مصیبت زدہ لوگوں کو اجر ثواب دیا جائے گا تو وہ جو دنیا میں پریشانیوں اور مصیبتوں

سے محفوظ رہے تھے تمنا کریں گے کہ کاش ہمارے جسم دنیا میں قینچیوں سے کاٹ دیے جاتے''۔(ترمذی)

اے قرارِ بے قراں، الغیاث!

راہ حق میں جو مصیبتیں اور آزمائشیں آئیں ان پر ایمان والوں کو صبر کرنے کے ساتھ رب تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھنا چاہیے۔ارشاد ہوا،''اور خوشخبری سناؤ ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے''۔(البقرہ:۱۵۶)

دوسری جگہ فرمایا،''اور تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور انکا غم نہ کھاؤ اور انکے فریبوں سے تنگ دل نہ ہو، بیشک اللہ انکے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور نیکیاں کرتے ہیں''۔(النحل:۱۲۷،۱۲۸)ایک اور جگہ یہ بھی حکم دیا گیا،''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔(البقرہ:۱۵۳، کنزالایمان)

راہ حق کی مشکلات پر مسلمانوں کو استقامت اور سکون قلب کے لیے خدا کا سہارا لینا ایمان کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔ارشاد ہوا،''اور بیشک ہمیں معلوم ہے کہ انکی باتوں سے تمہارا دل تنگ ہوتا ہے تو تم اپنے رب کو سراہتے ہوئے اسکی پاکی بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں ہو جاؤ اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو''۔(الحجر:۹۷تا۹۹)دوسری جگہ فرمایا،''وہ جو ایمان لائے اور انکے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں سن لو اللہ ہی کی یاد میں دلوں کا چین ہے''۔(الرعد:۲۸)

ان آزمائشوں سے مومنوں کے ایمان کو ایسی مضبوطی ملتی ہے کہ جب اہل باطل اپنی پوری طاقت سے انہیں ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں تو ان اہل حق کا ایمان اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ارشاد ہوا،''وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے

تمہارے لیے جتھا جوڑا (یعنی لشکر تیار کیا) تو ان سے ڈرو! تو ان کا ایمان اور زائد ہوا اور بولے، اللہ ہم کو کافی ہے اور کیا اچھا کارساز ہے"۔ (آل عمران:۱۷۳) اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے کہ "ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو"۔ (آل عمران:۱۷۵) آقا علیہ السلام صحابہ کرام علیہم الرضوان کو یہی نصیحت فرماتے تھے کہ "ہمیشہ حق بات کہو اگرچہ کڑوی ہو اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرو"۔ (مشکوٰۃ)

دشمنِ احمد پہ شدت کیجئے:

دین کا مذاق اڑانے والوں اور بد مذہبوں سے بچنا بھی راہ حق میں آزمائش ہے ارشاد ہوا، "اے ایمان والو! جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی مذاق بنا لیا وہ جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور کافر، ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر ایمان رکھتے ہو"۔ (المائدہ:۵۷)

اور چھوڑ دے انکو جنہوں نے اپنا دین ہنسی کھیل بنا لیا اور انہیں دنیا کی زندگانی نے فریب دیا اور قرآن سے نصیحت دو کہ کہیں کوئی جان اپنے کیے پر نہ پکڑی جائے"۔ (الانعام:۷۰، کنزالایمان)

یعنی ایسے لوگوں کو نصیحت ضرور کرنی چاہیے مگر ان سے دوستی رکھنا یا انکا دینی کاموں کا مذاق اڑانے کو برداشت کرنا یا انکی ایسی مجلسوں میں جانا جہاں ہمارے دینی عقائد و اعمال کے بارے میں بکواس کی جاتی ہو، ہرگز جائز نہیں ہے حکم الٰہی ہے، "تو قائم رہو (راہ حق) پر جیسا کہ تمہیں حکم ہے اور جو تمہارے ساتھ رجوع لایا ہے اور اے لوگو! سرکشی نہ کرو، بیشک وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی اور اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہیں پھر

مدد نہ پاؤ گے''۔ (ھود:۱۱۳،۱۱۲)

قرآن حکیم نے مومنوں کی پہچان یہ بتائی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں سے دوستی نہیں رکھتے۔ ارشاد ہوا، ''تم نہ پاؤ گے ان لوگوں جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اسکے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ انکے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں''۔

(المجادلہ:۲۲، کنزالایمان)

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا:

راہ حق میں ایک اور آزمائش یہ بھی آتی ہے کہ آپکی پرخلوص کاوشوں کے باوجود بہت کم لوگ آپکی نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں پہلے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہمارے ذمہ دوسروں تک دینی دعوت پہنچادینا ہے انہیں ہدایت دینا نہیں۔ اللہ عزوجل جسے چاہے اپنے فضل سے ہدایت عطا فرمائے۔ ارشاد ہوا،''تو جس نے راہ پائی تو اس نے اپنے بھلے کو راہ پائی اور جو بہکے تو فرمادو کہ میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں''۔ (النمل:۹۲)

دوسری جگہ فرمایا گیا''۔ہم خوب جان رہے ہیں جو وہ (منکرین حق) کہہ رہے ہیں، اور کچھ تم ان پر جبر کرنے والے نہیں تو قرآن سے نصیحت کرو جو میری دھمکی (یعنی عذاب) سے ڈرے''۔ (ق:۴۵) یعنی داعیان حق کا کام نصیحت کرنا ہے زبردستی کسی کو اس راہ حق پر لانا نہیں۔

ایک اچھا داعی نہ صرف دوسروں کی اصلاح کے لیے بھرپور کوشش کرتا ہے بلکہ اس کوشش میں بھی وہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھتے ہوئے اسی کی رحمت پر بھروسہ کرتا ہے قرآن کریم میں فرمایا گیا،''میں تو جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی

طرف رجوع کرتا ہوں ''۔(ھود:۸۸)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مومن گویا زبان حال سے یہ کہتا ہے، اے لوگو! میں تمہیں اپنے رب ہی کی طرف بلاتا ہوں اگر تم قبول کرلو تو بھی میں غرور وتکبر نہ کروں گا اور اگر تم اس دعوت کو جھٹلا دو اور میری مخالفت کرو تو بھی میں رضائے الٰہی کی خاطر غیر شرعی طرز عمل اختیار نہ کروں گا اور اپنے رب کریم ہی سے اس کے فضل کرم کا سوال کروں گا۔

دعوت حق کی کامیابی کی صورت میں شیطان فخر وغرور میں مبتلا کرنے کی سعی کرتا ہے اور اگر دعوت کارگر نہ ہو اور کسی آزمائش کا سامنا کرنا پڑے تو وہ داعی کو دعوت وتبلیغ کے اہم فریضے سے ہی بدظن کرنے کی بھرپور کوششیں کرتا ہے اسی لیے مومن کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہر لمحہ شیاطین کے مکر وفریب سے اللہ عزوجل کی طاقتور پناہ مانگتا رہے۔

ارشاد ہوا،''بیشک وہ جوڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے تو ہوشیار ہوجاتے ہیں پس اس وقت انکی آنکھیں کھل جاتیں ہیں''۔

(الاعراف:۲۰۱، کنزالایمان)

تمام آزمائشوں پر صبر واستقامت کا پیکر بننے کے لیے حدیث پاک میں ایک بہترین طریقہ بیان فرمایا گیا ہے جس کو اپنا لینے سے صبر کرنا دشوار نہ ہوگا، آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے،''جس پر کوئی مصیبت آئے اور اسے صبر کرنا مشکل معلوم ہو تو اسے چاہیے کہ میرے مصائب وتکالیف کو یاد کرلے (اس سے صبر آسان ہوجائے گا)۔(تنبیہ الغافلین)

تمام آزمائشوں کے باوجود راہ حق پر قائم رہنے والوں پر رحمت الٰہی کے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور انہیں فلاح دارین کا مژدہ سناتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ''بیشک وہ جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور خوش ہو اس جنت پر جسکا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا، ہم تمہارے دوست ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں اور تمہارے لیے ہے اس (جنت) میں جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لیے اس میں جو چاہے مانگو''۔ (حم سجدہ: ۳۰، ۳۱، کنز الایمان)

از خواب گراں خیز:

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا''۔ (محمد: ۷)

دوسری جگہ فرمایا، ''بیشک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اسکی جو اسکے دین کی مدد کرے گا، بیشک اللہ قدرت والا غالب ہے''۔ (الحج: ۴۰)

ایک اور جگہ ارشاد ہوا، ''اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر ایسا کون ہے جو تمہاری مدد کرے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے''۔ (آل عمران: ۱۶۰، کنز الایمان)

ان آیات سے ثابت ہوا کہ جو ایمان والے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے دین مدد کریں گے اللہ عزوجل ضرور انکی مدد فرمائے گا۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں کو اپنے دین کا مددگار بننے کا حکم دیا ہے (الصف: ۱۴) جبکہ مسلمان شیطان کے دھوکے میں آکر دنیا کی محبت میں مبتلا ہو کر غفلت کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔

اے ایمان والو! دنیا کی چند روزہ زندگی تمہیں دھوکا نہ دے، رب کریم کا

ارشادگرامی ہے، ”دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آخرت کا گھر ضرور وہی سچی زندگی ہے، کیا اچھا تھا اگر جانتے“۔ (العنکبوت: ۶۴، کنزالایمان)

اے راہِ آخرت کے مسافرو! دنیا کی محبت میں مبتلا اور اسے جمع کرنے کی فکر میں سرگرداں و پریشاں ہر شخص سے کہہ دو کہ آقائے دو جہاں رحمت عالم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے، ”جو تمام غموں کو ایک آخرت ہی کا غم بنا لے اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے تمام غموں میں کافی ہوگا اور جسے دنیا کے غم ہر طرف لیے پھریں (اور اسے آخرت کی فکر نہ ہو) اللہ اس بات کی ہرگز پرواہ نہ کرے گا کہ وہ کونسے جنگل میں ہلاک ہوا“۔ (ابن ماجہ)

اے شمع رسالت کے پروانو! خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ اور اصلاح فکر وعمل کے داعی بن جاؤ۔ گھر گھر کوچہ کوچہ شہر شہر غلامان رسول ﷺ کو یہ پیغام دو کہ عشق مصطفیٰ ﷺ کی شمع اپنے دل میں فروزاں کرلو اور اسکی نورانی روشنی میں آقا و مولیٰ ﷺ کی اطاعت کو وظیرہء جان بنالو اور ان سے تزکیہء نفس و تصفیہء قلب کی بھیک مانگو کہ رب تعالیٰ کی ساری نعمتیں اسی در اقدس سے تقسیم ہوتی ہیں۔ (بخاری)

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

صل اللہ علی النبی الامی والہ صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن حکیم ہمیں خبردار کرتا ہے کہ ایمان لانے کے بعد اگر مسلمان اللہ عزوجل اور رسول کریم ﷺ کی محبت و اطاعت سے غفلت کرتے ہیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انکے دل سخت ہوتے جاتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ”کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت یاد نہ آیا کہ انکے دل جھک جائیں اللہ کی یاد اور اس حق کے لیے جو اترا (یعنی قرآن)، اور ان جیسے نہ ہوں جن کو پہلے کتاب دی گئی پھر ان پر مدت دراز ہوئی تو ان کے دل سخت

ہو گئے اور ان میں بہت (سے) فاسق ہیں''۔ (الحدید: کنزالایمان)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضور ﷺ اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے تو مسلمانوں کو دیکھا کہ آپس میں ہنس رہے ہیں فرمایا، تم ہنستے ہو؟ ابھی تک تمہارے رب کی طرف سے امان نہیں آئی اور تمہارے ہنسنے پر یہ آیت نازل ہوئی۔ انہوں نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! اس ہنسی کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا، ''اتنا ہی رونا''۔ (خزائن العرفان)

سرور دین لیجئے اپنے ناتوانوں کی خبر
نفس و شیطان سیدا کب تک دباتے جائیں گے

اگر آپ دنیا کی آخری کامیابی کے طلبگار ہیں تو آقا و مولیٰ ﷺ کے مشن کے سپاہی بن جایئے، اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت آپ کو اپنی آغوش میں لے لے گی۔ فرمان الٰہی ہے، ''اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے اور بیشک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے''۔

(العنکبوت: ۶۹، کنزالایمان)

یہ حکم الٰہی ذہن نشین رکھئے، ''نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ، تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو''۔ (آل عمران: ۱۳۹، کنزالایمان)

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑ و زمانہ چال قیامت کی چل گیا

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین